مہادیو پرشاد تاجر کتب پبلشر کتاب ہذا لکھنؤ

طلسمی برج

شاہان اودھ کے پوشیدہ
خزانوں کا حیرت انگیز انکشاف
دلاور کی پر اسرار قیام گاہیں ایک ہفت سالہ لڑکی کی عجیب و غریب
عیاریاں خفیہ پولیس اور ایک نوجوان سوداگر کی
بےمثل سراغرسانیاں شاہان اودھ کے
سچے واقعات لکھنؤ کی مکمل تاریخ ۔

مصنفہ سید باقر رضا صاحب جوش لکھنوی

حسب ایما مہادیو پرشاد تاجر کتب لکھنؤ
باہتمام بابو کدارناتھ صاحب مہتمم ہندوستانی پریس لکھنؤ میں دوسری بار چھپا
۱۹۴۲ء
قیمت

مقید روح کردی چار دیوار عناصر مین
خدا پر جبر تھین ظاہر جو تھین پابندیان انسان کی

طلسمی برج پر اسرار ناول

طلسمی برج

جسمین

اہان اودھ کے پوشیدہ خزانہ کا حیرت انگیز انکشاف دلاور کی پر اسرار
یامگاہین ایک ہشت سالہ لڑکی کی عجیب و غریب عیاریان خفیہ
پلیس ور ایک نوجوان سوداگر کی بے مثل سراغ رسانیان شاہان
ودھ کے سچے واقعات لکھنؤ کی مکمل تاریخ حسن و عشق کے دلچسپ اور
دلکش مناظر لکھنؤ کی خاص ٹکسالی زبان مین دکھائے گئے ہین

مصنفہ
سید باقر رضا جوش لکھنوی

فہرست مفت طلب فرمائیے

خونی بھید زر و جواہر کا خواب جیلئے دست برد کے تلے ہوئے ہیں ایک بوڑھے مرد نواب دستاویز کو تعویذ بنائے ہوئے ہیں مگر جوے کی لت ہے۔ لڑکی حسین مہ جبین عاشقان زر کے پھندے میں نہیں پھنستی۔

اختری بیگم ایک خوبصورت امیرزادی بڑی نیک ونیکبخت اکثر غربا کو اپنی دولت سے بے منت نفع پہونچاتی ہے۔ جیلئے دشمن درپے آزار ہیں بہت سے مصائب پیش آتے ہیں۔

عروس جاسوس کلکتہ کا حیرت انگیز واقعہ مشہور و معروف ڈیڈ لیٹو کی قابلانہ جاسوسی کر[illegible] بیٹی کا قتل حسرت آگین و عبرت آموز واقعات اس شیوا [illegible] عجیب و غریب کارگذاریاں۔

نور جہاں [illegible] پردوان میں صوبہ دار شیر افگن خان کا اپنی بی بی مہر النسا کے ساتھ [illegible] رہنا بادشاہ اکبر کی وفات جہانگیر کی آتش محبت کا بھڑ[کنا] شہزادہ خسرو کی بغاوت مہر النسا کا آگرہ کے محل شاہی میں آنا خسرو کا قتل۔

شوخ بہودن رازداری کا آئینہ برتی انتقام کا خونی نظارہ دیہات کی زندگی کا نقشہ بھولی بھالی صورتیں اور کم سن معشوق پتلی کمر اور برچھی نظر دیکھ[تے ہی] دل کا آجانا۔ شوخی و شرارت کے حاشیہ میں ناز و انداز کی تحریر۔

مرقع ادب ہندوستان کے مشہور انشا پردازوں اور محققین اساتذہ سخن امیر و داغ اکبر جلیل حالی۔ ریاض آزاد۔ مہر تیم وغیرہ جیسے نامور اہل قلم کے نامور نایاب خطوط کا مجموعہ ہے۔

زردگنبد لکھنؤ کی مشہور بیگم ملکہ جہاں سے شغل لئے کارانہ خاقان کی سوانحعمری کی ابتدا [illegible] تزاق کے حیرت انگیز کارنامہ ہمراعوسالی کا دلچسپ فوٹو جمیلہ کی عیاریاں ان کے عشق کا راز و نیاز لکھنؤ کی افواہوں کا دلکش نتیجہ۔

مہادیو پرشاد تاجر کتب لکھنؤ

طلسمی برج

باب ۱

قریب آتا ہے روزِ محشر چھپیگا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہیگی زبانِ خنجر لہو پکاریگا آستین کا

۹۲۹۵۴

قتل

کوتوال انیس احمد۔ حسین بخش سے، تم رات کو کہاں تھے۔

حسین بخش۔ حضور میں کوٹھی میں موجود تھا۔

کوتوال صاحب۔ سوداگر شجاعت حسین صاحب کے یہاں تم کب سے ملازم تھے۔

حسین بخش۔ قریب قریب ۹ سال سے۔

کوتوال صاحب۔ اچھا اب واقعہ بیان کرو۔

حسین بخش۔ سوداگر صاحب کا وطن دہلی تھا۔ لکھنؤ جب کبھی آتے مجکو اپنے ہمراہ ضرور لاتے چنانچہ منگل کے دن پانچ نومبر کو سوداگر صاحب لکھنؤ تشریف لائے مگر اس مرتبہ اپنے ہمراہ چھوٹی بیگم صاحبہ کو بھی لائے۔

کوتوال صاحب۔ چھوٹی بیگم کون۔

حسین بخش۔ چھوٹی بیگم صاحبہ جنکا نام نورجہان بیگم ہے سوداگر صاحب کی صاحبزادی ہیں۔ انکی والدہ بڑی بیگم صاحبہ دو سال ہوئے انتقال کر گئیں۔ سوداگر صاحب کے عزیز یوں تو بہت ہیں مگر انکے ہمراہ صرف چھوٹی بیگم صاحبہ ہی رہتی ہیں سوداگر صاحب کے ایک حقیقی بھتیجے ظفر حسین صاحب ہیں جن سے سوداگر صاحب بہت محبت کرتے تھے انکی سوداگری کی دوکانات امین آباد پارک میں ہے۔ جب سوداگر صاحب لکھنؤ آتے تو ظفر حسین صاحب یہاں ان سے ملنے کی غرض سے روز آتے مگر اتفاق سے آجکل وہ بھی دہلی میں ہیں کل ایکا

خط آیا تھا شائد آج آجاوین (گھڑی کی طرف دیکھکر) ۸ بجے گاڑی آتی ہے ۹ بجنے مین پانچ منٹ
باقی ہین اگر اس گاڑی سے آئے تو غالباً آتے ہی ہونگے۔

کوتوال صاحب۔ خیر رات کا واقعہ بیان کرو۔

حسین بخش۔ حضور غالباً رات کے دو بجے ہون گے کہ سوداگر صاحب کے کمرہ مین ڈنکی کے
اشارہ سے دبا کر باتین کرنے کی آواز آئی۔ ایسا معلوم ہوا کہ کوئی شخص نہایت سختی کے لہجہ
مین کہہ رہا ہے تجکو میرا کہنا ماننا پڑیگا۔ اس آواز سے میری آنکھ کھل گئی چاہتا تھا اٹھون
کہ ایک ہاتھ میری گردن پر پڑا اور اس زور سے گلا دبایا کہ میرا منھ کھل گیا ایک رومال میرے
منھ مین ٹھونس دیا گیا اور مجکو ایک ڈوری سے جکڑ دیا گیا مین قریب قریب بیہوش ہو چلا
تھا کہ مین نے سوداگر صاحب کی آواز یہ کہتے ہوئے سنی "چور چور" حسینی اور کلو جنکی کہ آنکھ
غالباً اس آواز سے کھلی تھی۔ دوڑے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک فیر کی آواز آئی اور اس
آواز کے چند منٹ کے بعد دو فیر پھر ہوئے اتنی دیر مین میری عجیب حالت ہو گئی تھی
اور رات کا ڈر تو تھا مین فیرون سے اور بھی غیر حالت ہو گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مین بیہوش
ہو گیا مجھے جب تک ہوش نہ آیا کہ شبراتن ماما نے میرے منھ سے رومال نکالا میرے حواس
قائم نہ تھے مین چور چور کہکر چلایا کہ دوسری ماما نصیبن نے یہ کہکر تسکین دی کہ چور نہین وہ
بھاگ گئے اب مین اٹھا لالٹین جلائی کیونکہ جہان بجلی روشنی تھی بدمعاشون نے بجھا دی تھی
سوداگر صاحب کے کمرہ مین داخل ہوا تو حسینی کی نعش ملی گولی سینہ پر پڑی تھی اور پشت توڑتی
ہوئی نکل گئی تھی شبراتن نے کلو کی نعش دیکھی اور یہ کہکر چلائی کہ ہائے مین لٹ گئی (کلو شبراتن
کا شوہر تھا) کلو کے کوئی گولی وغیرہ نہ پڑی تھی۔ اور یہ نہ معلوم ہوا کہ کس طرح مارا گیا مین بہت
گھبرایا اور ان سب آنکھون مین اندھیرا چھا گیا۔ اور سر پکڑ کر زور سے چلایا کہ ہائے سوداگر صاحب
سوداگر صاحب کا سر گویا پتھر سے کچلا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ میری آواز چھوٹی بیگم صاحبہ نے
سنی خوف زدہ تو پیشتر ہی سے ہو رہی تھین مگر اس آواز کو سنکر بے تحاشہ دوڑین کہ ٹھوکر
لگی اور گر پڑین۔ سر مین چوٹ آئی جسکی وجہ سے غش آگیا غش سے افاقہ ہوا تو رونا شروع
کیا اور اسوقت سے اسقدر رو رہی ہین کہ بخار آگیا ابھی تک وہی حالت ہے۔ حضور جو کچھ
کہ واقعہ ہوا تھا مین نے بیان کر دیا۔

کوتوال صاحب۔ تم سب یہان کتنے آدمی ہو۔

حسین بخش۔ یون تو سوداگر صاحب جب لکھنؤ آتے تو صرف ایک ماما اور مجکو اپنے ہمراہ لاتے مگر اس مرتبہ خدا معلوم کیون مع اپنے کل متعلقین کے آئے تھے یعنے تین آدمی ہم لوگ حسینی۔ کلو۔ اور مین خانسامان نصیبن اور چھوٹی بیگم صاحبہ اور انکی انا۔

کوتوال صاحب۔ سوداگر صاحب جب دہلی مین رہتے تو یہان کون رہتا۔

حسین بخش۔ یہان صرف تین الماریان اور چند پلنگون کے اور کچھ اسباب نہ رہتا اسلیے سوداگر صاحب کی عدم موجودگی مین کوٹھی مقفل رہتی۔

کوتوال صاحب۔ ظفر حسین جن کو تم سوداگر صاحب کا بھتیجا بتاتے ہو وہ کہان رہتے ہین۔

حسین بخش۔ حضور ان کی دوکان امین آباد پارک مین ہے، چونکہ فاصلہ اس مقام سے (سعادت گنج) زیادہ ہے اس لیے امین آباد ہی مین انھون نے ایک مکان کرایہ پر لے لیا ہے ظفر حسین صاحب کا وطن بھی دہلی ہے ان کے والد نے انتقال کیا صرف والدہ ہین وہ دہلی ہی مین رہتی ہین۔ (دروازہ کی طرف دیکھکر) لیجیے وہ آرہے ہین۔

ظفر حسین کی عمر شکل سے ۲۲ برس کی معلوم ہوتی ہے رنگ کھلتا ہوا۔ بڑی بڑی آنکھین ہاتھ پیر سڈول قد متوسط۔ غرضکہ مردانہ حسن کی مجسم تصویر ہے آتے ہی کوتوال صاحب سے صاحب سلامت کی اور حسین بخش سے پوچھا ''کیون خیریت ہے کیا بات ہے''

حسین بخش۔ روکر حضور ہم لوگ لٹ گئے۔ سوداگر صاحب قتل ہوگئے اور کلو اور حسینی بھی مارڈالے گئے۔

یہ سنکر ظفر حسین نے ایک چیخ ماری اور ہائے چچا کہکر کرسی پر بیٹھ گیا۔ پھر پوچھا ''کیا کیا مال گیا گھر مین تو سب خیریت ہے۔''

حسین بخش۔ حضور بظاہر تو معلوم ہوتا ہے کہ اسباب وغیرہ کچھ نہین گیا اگر کچھ اور ڈاکو لیگئے ہون تو مین نہین کہہ سکتا۔

کوتوال صاحب۔ لیجئے یہ رپورٹ مین نے تحریر کی ہے اسمین حسین بخش کا بیان تفصیل سے تحریر ہے۔ ملاحظہ فرمالیجیے۔

ظفر حسین نے کاغذات لیے اور پڑھکر واپس دیے تو کوتوال صاحب نے کہا مین بہت پریشان تھا آپ آگئے تو اطمینان ہوا۔ مین یہ چاہتا تھا کہ سوداگر صاحب کے اعزا مین سے

کوئی ایسا ہو جسکے ہمراہ میں کل کوٹھی کا معائنہ کروں۔

ظفر حسین۔ بہتر ہے میں ابھی حاضر ہوتا ہوں ذرا گھر بتاتا آؤں۔

تھوڑی دیر میں ظفر حسین گھر سے باہر آئے تو کوتوال صاحب مکان کا معائنہ کرنے لگے۔

پوری کوٹھی پر زرد رنگ پھرا ہوا تھا یہاں تک کہ جتنے دروازہ اور الماریاں وغیرہ تھیں سب زرد رنگی ہوئی تھیں اسی وجہ سے یہ زرد کوٹھی کے نام سے مکان مشہور تھا جس کمرے میں شجاعت صاحب قتل ہوئے تھے، نہایت وسیع تھا۔

کمرے میں ایک مسہری تھی جسکے نیچے ہوئے فرش پر شکن تھی نہ پڑی تھی معلوم ہوتا تھا کہ جب سے فرش بچھایا گیا۔ اسپر کوئی سویا بھی نہ تھا۔

جانب شمال تین الماریاں رکھی ہوئیں تھیں۔ جن میں سے ایک الماری خالی تھی اور ایک میں سچی چینی کے کچھ برتن تھے اور تیسری الماری میں پرانی قلمی تصاویر اور کتابیں تھیں جنکی کہ سوداگر صاحب تجارت کرتے تھے۔ تیسری الماری کے داہنے جانب ایک میز تھی اور کرسی الٹی ہوئی پڑی تھی۔ کرسی سے قریب ۲ گز کے فاصلہ پر سوداگر صاحب کی نعش تھی جسم خون سے تر بتر تھا۔ سر پر کاری ضرب میں لگائی گئی تھیں گویا کہ پتھر پا اسے بنے سر کچلا گیا ہے۔ بیچ کے دروازہ کے قریب کلو کی نعش تھی جس سے کوئی پتہ نہ چلتا تھا کہ مقتول کسطرح مارا گیا اس نعش سے تین گز فاصلے پر حسینی کی نعش تھی جس کے سینہ پر گولی پڑی تھی۔ میز پر ایک چھوٹا سا بکس تھا۔ بکس کھولا گیا جس میں تین قطع نوٹ دس دس کے اور ۴۰ روپئے نکلے۔

جب کمرے کا اچھی طرح معائنہ ہو چکا تو کوتوال صاحب نے کہا۔ بدمعاشوں کو روپیہ کا لالچ نہ تھا۔ بلکہ شاید انکا مقصد صرف سوداگر صاحب کا قتل تھا کیونکہ روپیہ وغیرہ کافی طور سے موجود ہے۔ اب صرف غور طلب یہ بات ہے کہ بدمعاشوں کے پاس بندوقیں موجود تھیں اور سوداگر صاحب پر فیر نہیں ہوا۔ حسینی گولی کا نشانہ بنا۔ کلو کی نعش سے پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ کس طرح مارا گیا۔ حسین بخش کا بیان ہے کہ تین فیر وقت کی آواز آئی یہ نہایت تعجب خیز بات ہے۔

ظفر حسین بالکل بے حس و حرکت آنکھیں بند کیے خاموش کھڑا تھا گویا کسی گہرے خیال

مین ڈوبا ہوا تھا۔

کوتوال صاحب۔ آپ کیا سوچ رہے ہین۔ (مسکراکر) معلوم ہوتا ہے کہ آپ معاملہ کی تہہ تک پہونچ گئے۔

ظفر حسین (تھوڑی دیر خاموش رہکر) آپکا فرمانا بہت ٹھیک ہے مین پورے طور سے تو نہین سمجھا مگر بہت کچھ اصلیت معلوم ہوگئی۔

کوتوال صاحب (ظفر سے) ذرا مین بھی سنون آپ تو پولیس سے بھی زیادہ قیافہ شناس معلوم ہوتے ہین۔ ہان جناب آپنے کیا نتیجہ نکالا۔

ظفر حسین۔ مین آپکی تائید کرتا ہون کہ بدمعاشون کو روپیہ کا بالکل لالچ نہ تھا مگر انکا اصلی مقصد شجاعت حسین صاحب کا قتل بھی نہ تھا۔ وہ جس لیے آئے تھے کامیاب ہوئے شجاعت حسین صاحب کے قاتلون کا پتہ لگانا فضول ہے بلکہ اب ہمکو شجاعت حسین صاحب کے قاتلون کا پتہ لگانا چاہیے کیونکہ شجاعت حسین صاحب کے قاتل بالکل بے قصور ہین۔

کوتوال صاحب۔ (ہنسکر) شاباش کیا قیافہ شناسی کی ہے۔ آخر اس سے کیا مطلب یہ بات تو بالکل مہمل سی معلوم ہوتی ہے۔ سوداگر صاحب کے قاتل بے قصور ہین واہ جناب واہ قاتل اور بے قصور، یہ حرف آج ہی آپ سے سُنا۔ علاوہ اسکے اب آپکے قول کے بموجب ہمکو دو باتون کی جستجو ہوئی اول تو یہ کہ سوداگر صاحب کے قاتل کون ہین دوسرے ان قاتلون کے قاتل کون ہین۔

ظفر حسین۔ کوتوال صاحب جو کچھ مین نے عرض کیا وہ آئینہ کی طرح صاف ہے آپنے زیادہ غور نہین کیا ورنہ قبل اسکے کہ مین کچھ عرض کرون آپ نتیجہ پر پہونچ جاتے اور میری رائے کی تائید کرتے۔ سامنے واقعات کا پڑا ہوا پردہ یقینی نظر کو دھوکا دیتا ہے۔ مگر ساتھ ہی اسکے ذرا سا غور کرنے سے معاملہ صاف نظر آتا ہے۔

(میز کے نیچے سے پڑا ہوا لفافہ اٹھایا اور خط نکالکر پڑھنا شروع کیا)

جیون جیون پڑھا چہرہ پر خوشی کے آثار نمایان ہوئے۔ چند ورق کتاب کے بیچ مین ہوئے تھے وہ بھی اٹھا کر لفافہ مین رکھ لیے۔

کوتوال صاحب۔ کیون جناب اب کیا دھن آئی۔

ظفر حسین۔ کوتوال صاحب۔ واقعات میرے خیال کی تائید میں پیش ہوتے جاتے ہیں یہ پھٹے ہوئے چند اوراق اور یہ خط۔ اندازِ قتل۔
یہ باتیں اس بات کا کافی ثبوت ہیں کہ دشمن کی قوت بے اندازہ ہے اور اس کا مقابلہ کرنا آسان بات نہیں۔

کوتوال صاحب۔ واہ جناب واہ۔ گویا کہ آپ قاتل سے بھی واقف ہو گئے اور اسکا نام بھی معلوم ہو گیا۔

ظفر حسین۔ بیشک خط ملاحظہ فرما لیجئے۔

کوتوال صاحب نے خط لیکر پڑھنا شروع کیا۔ لکھا تھا۔

د دیکھو شجاعت حسین میں پھر تاکید کرتا ہوں کہ میری چیز مطلوبہ مجکو دیدو تم۔
ل لاکھ چھپاؤ اور انکار کرو مگر میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تمھارے پاس موجود ہے۔
ا اگر تمکو روپیہ کا لالچ ہے تو جتنا روپیہ تم کہو میں دینے کو تیار ہوں خواہ تعداد میں کتنا ہی ہو۔
و ورنہ تم جان دو گے تمھارا کام اگر ایسا نہ کر دوگے تو گویا تم نے خودکشی کی۔
ر رہا یہ امر کہ تم اپنی حفاظت کر سکتے ہو یہ بالکل غلط خیال ہے آخری مرتبہ تم سے کہا جاتا ہے۔

راقم

میرا خط ۷ نومبر ۱۹۱۱ء

کوتوال صاحب نے کئی بار خط پڑھنے کے بعد کہا خط سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ قاتل سوداگر صاحب سے کسی چیز کا خواہاں ہے جس کے دینے سے اُن کو انکار ہے جبھی وہ لکھتا ہے کہ اگر نہ دوگے تو قتل کیے جاؤگے اور تو کوئی بات نہیں لکھی راقم کی جگہ بجائے نام کے ایک بے معنی فقرہ "میرا خط" لکھا ہے۔ اس سے نام کا پتہ کیونکر چلتا ہے؟

ظفر حسین۔ کوتوال صاحب دشمن کا مقابلہ آسان نہیں اور دشمن بھی کیسا کہ "دلاور" ساخناطر۔ خط کو غور سے ملاحظہ فرمائیے راقم کی جگہ وہ لکھتا ہے کہ "میرا خط" اب یہ بات سوچنے کے قابل ہے کہ خط میں اُسنے اپنا نام کہاں لکھا۔ تھوڑے ہی غور کرنے کے بعد یہ بات حل ہو جاتی ہے کہ ہر سطر کے شروع کا حرف لیجئے۔ اور سب کو ملا کر پڑھیے۔ د۔ ل۔ ا۔ و۔ ر۔ ان سب کو ملائیے تو صاف دلاور ظاہر ہو جاتا ہے۔

دلاور کا نام سنکر کوتوال صاحب کے حواس باختہ ہو گئے۔ باوجود موسم سرما کے

پیشانی پر پسینہ کے قطرے جھلکنے لگے اور لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے رک رک کر کہا دلاور اسکی نعش تو کوٹھی سے متصل قلعہ میں برآمد ہوئی تھی جسکو پانچ برس کا عرصہ ہوا۔
ظفر حسین۔ یہ اسکے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا صرف پولیس کو دھوکہ دینے کی غرض سے یہ کارروائی کی گئی تھی۔ خیر خدا مالک ہے۔

دشمن اگرچہ قویست نگہبان قوی تر است اس میں کوئی شک نہیں کہ دلاور اب وہ دلاور نہیں۔ اسکی طاقت کا اندازہ تخیل کے دائرہ سے باہر ہو گیا۔ مگر آپ اطمینان رکھیں اگر عقل سے کام لیا جاوے تو اسکو زک دینا کونسی بڑی بات ہو۔

ماما آئی اور ظفر حسین کو بلا کر اندر لے گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد ظفر حسین باہر آئے اور کوتوال صاحب سے کہا۔ اِن کوتوال صاحب اب آپ کی سمجھ میں آیا۔ اچھا یہ پھٹے ہوئے اوراق پڑھیں تو پورا حال معلوم ہو جائیگا۔ کوتوال صاحب نے میز پر سے لفافہ اٹھایا تو اس میں بجائے خط کے اوراق کتاب کے ایک چھوٹا سا پرچہ رکھا تھا جس پر لکھا تھا۔

"کسی غیر شخص کا خط پڑھنا اور وہ بھی راز کا تہذیب کے خلاف ہے عجب بیوقوف ہو تمہارے ہی پاس میں قاصد سپاہی کی صورت میں یونیفارم پہنے کھڑا تھا مگر تم کیا کرو میرا نام سنکر تمہارے حواس کہاں ٹھکانے تھے جو غور کرتے"

کوتوال صاحب عبارت پڑھکر اسقدر گھبرائے کہ ہاتھ سے پرچہ چھوٹ کر زمین پر گر پڑا ظفر حسین نے جلدی سے پرچہ اٹھا کر پڑھنا تو کہا۔

"غضب ہو گیا کوتوال صاحب وہ کتاب کے ورق بہت ضروری تھے خیر اب کیا ہو سکتا ہے۔ دیکھیے میں نہ کہتا تھا۔ یہ بدمعاش نہایت چالاک اور ہوشیار ہے"

کوتوال صاحب۔ مسٹر ظفر حسین میں آپکی دوراندیشی کا مقر ہوں۔ واقعی کمبخت نے سخت دھوکا دیا۔ اپنے ہمراہیوں کی طرف غور سے دیکھکر کہنے لگے " نہایت تعجب کی بات ہے کہ ایک بدمعاش ہمکو یوں دھوکا دیجائے اور تم لوگ اسطرح غافل رہو"

فوراً دو کانسٹبل مفرور کی تلاش میں روانہ کیے گئے مگر اسکی گرد تک کو نہ پایا۔

کوتوال صاحب۔ ظفر حسین صاحب اب آپ یہ بتائیے کہ آپنے قیافہ شناسی سے جو نتائج نکالے ہیں بیان فرمائیے۔

ظفر حسین - مین نے جتنی بھی باتین عرض کی ہین جہانتک میرا خیال ہے بالکل ٹھیک ہین - مگر ابھی ایک خاص امر پر غور کرنا ہے انشاء اللہ بہت جلد مین خود حاضر ہو کر سب بیان کردونگا - آپ بھی صبح سے حیران ہو رہے ہین - ایک بج گیا ہے مین بھی رات کو سفر کی تکان کی وجہ سے بہت پریشان ہون علاوہ اسکے اب تو مین نے مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ چاہے میرا کتنا ہی نقصان کیون نہ ہو دلاور سے مقابلہ کرونگا -

کوتوال صاحب نے بھی آئندہ ملنے کا وعدہ کیا اور کوتوالی روانہ ہو گئے نعشین ڈاکٹری معائنہ کے لیے روانہ کر دی گئین -

نا سوز دل دکھا تو دیا چارہ ساز کو
اب رشک ہے کہ دور تک اسکی نظر گئی (عزیز)

باب ۲

یہان تو گھٹ کے نکلتا ہے دم وہ کہتے ہین
کسی کا ضبط کبھی رائگان نہین ہوتا (عزیز)

نورجہان

نورجہان - اے میرے پیارے باپ مین کیا جانتی تھی کہ غربت مین تمہارا ساتھ چھوٹ جائیگا -

ظفر حسین - جو کچھ ہونا تھا ہو گیا اب سوائے صبر کے چارہ ہی کیا؟

نورجہان - صبر - اُف بھلا کوئی حد بھی ہے والدہ کی جدائی کا جو زخم دل پر پڑا تھا وہی میرے بیتاب کرنے کے واسطے کیا کم تھا کہ یہ دوسرا نشتر اسی زخم پر اور پڑا -

جہان مین کاش پیدا ہی نہ ہوتے
نہ یون پڑتی ہمین ہنسنے اور نہ روتے (عزیز)

ظفر حسین - میرا مطلب یہ نہین کہ تم رنج اور افسوس نہ کرو مگر صدمہ کی بھی ایک حد معین ہوتی ہے تمہاری حالت کیا ہو گئی ہے تمام جسم زرد ہو کر رہ گیا معلوم ہوتا ہے کہ خدانخواستہ

مین ایک قطرہ بھی خون کا نہین۔

نورجہان۔ ہان یہ سچ ہے مگر تم ہی انصاف کرو کہ دلبر زخم پر زخم پڑین اور اُس سے
جائے تڑپو نہین اُف نہ کرو یہ کہان تک زیبا ہے خدا معلوم ابا جان کا کون ایسا دشمن
تھا جس نے مجھکو یتیمی کا داغ دیا۔ انکو تو سوائے کتب بینی کے اور کوئی کام بھی نہ تھا۔ نہ کسی
سے لڑائی تھی نہ جھگڑا مین کیا جانتی تھی کہ لکھنؤ کی زمین میری ایسی دشمن ہے کہ میرے پیارے
ابا کو مجھسے جدا کر لیگی۔ لکھنؤ ایسے منحوس لکھنؤ مین تو بڑے شوق سے تیری مہمان ہوئی
تھی کیا ایک غریب نوجوان کی مہمان نوازی اسی طرح کی جاتی ہے (روکر) اب مین اپنے والد کو
کہان پاؤن گی۔

ظفر حسین۔ چچا جان کی ہلاکت کا باعث بھی کتب بینی تھا جسکی وجہ سے تم یتیم ہوئین
وہ ڈلاور تھا۔

نورجہان۔ کیا سچ کہا۔ ہائین وہی ڈلاور ڈاکو جسکے خوفناک واقعات سے لکھنؤ دہلی
آگرہ۔ بلکہ ہندوستان کا بچہ بچہ گونج رہا ہے۔ اُف اسکو ابا جان سے کیا ایسی دشمنی
تھی۔ اگر روپیہ کا لالچ ہوتا تو جان کیون لی۔

ظفر حسین۔ تم ان واقعات سے آگاہ نہین ہو مگر یقین جانو کہ ظفر انتقام لے گا اور
نہایت سخت۔

نورجہان۔ نہین نہین ایسا قصد نہ کرو وہ بہت ظالم ہے اور ظالم کے ساتھ ہی شاطر
ڈاکو ہے۔ اُسکا اور تمہارا کیا مقابلہ ہو سکتا ہے خدانخواستہ اگر تمہارا بال بھی بیکا ہوا تو
غضب ہی ہوگا۔ دنیا مین اب میرا کون ہے۔ ماموں ظہیر الدین ہین وہ جان کے دشمن
جسطرح بھی ہو سکیگا مین صبر کر دونگی اگر کہو تو مین اُف بھی نہ کرون مگر خدا کے
واسطے تم اُس ظالم سے برسر پیکار نہ ہو۔ لہذا اس خیال سے درگذرو۔ جس دلاور نے
پولیس کی طاقت کو بچون کا کھیل خیال کرکے ہندوستان مین ہلچل ڈالدی جسکا نام
لیتے ہوئے لوگ بید کی طرح کانپتے ہین۔ اُسکا مقابلہ اور تم۔

دیکھو مین منت سے کہتی ہون۔ اگر تم کو اپنا خیال نہین تو مجھپر رحم کرو۔
یہ کہتے کہتے خدا معلوم کیا خیال آیا کہ نظر جھک گئی اور پلکون سے رخسارون پر
آنسو قطرات شبنم کی طرح نظر آنے لگے۔ ایک آہ کی اور جھکا ہوا سر آہستہ آہستہ اٹھا اور

حسرت بھری نظر ظفر کے چہرہ پر جم گئی۔

نورجہان نے عمر کی چودہ منزلیں طے کرکے پندرھوین سال کے پہلے ہی مہینہ مین قدم رکھا تھا کہ چاند گہن مین آگیا۔ چہرہ زرد ہوکر رہ گیا۔ بڑی بڑی سیاہ آنکھین جن مین عشوہ عصمت نے اپنا مسکن بنا رکھا تھا بیمار نرگس کی طرح ہوگئین۔ اسکے ہر ہر عضو کی تعریف کرنا یوسف کو آئینہ دکھانا ہے یون کہنا چاہیے کہ خلاقِ عالم نے ید قدرت سے یہ نقش کھینچکر دنیا والون کو یہ دکھایا ہے کہ جنت مین حورین اسی طرح کی ہوتی ہین۔

اُف ترے حسنِ جانفسوں کی پرزور کشش
توڑ سب کھینچ لیا چشم تماشائی کا (عزیز)

شجاعت حسین صاحب نے یہ قصد کرلیا تھا کہ کچھ دلون کے بعد ظفر حسین ہی کے ساتھ اسکی شادی کردینگے مگر ان بیچارہ کو کیا خبر تھی کہ موت کا دست ظلم دراز ہوکر انکی روح قبض کریگا اور یہ امید بھی پوری نہ ہوگی نورجہان کو بھی معلوم ہوگیا تھا اسلیے وہ شرم کیوجہ سے ظفر حسین سے بات بھی نہ کرتی تھی۔ مگر زمانے کے حادثات سے مجبور بیچاری ایسا کرے تو کیا کرے جب دیکھا کہ ظفر حسین نے دلاور سے مقابلہ کرنیکا ارادہ کرلیا ہے سمجھانے لگی بڑا ایسا نہ کرو بلا اور پھر اس انداز سے کہا کہ ظفر حسین کے بھی ارادے خیال مین لغزش آگئی۔ تھوڑی دیر تک دونون خاموش بیٹھے ایک دوسرے کو دیکھا کیے کہ ظفر حسین نے آخرکار قفل خاموشی یہ کہکر توڑا۔

ظفر حسین۔ بیشک میرے خیال مین کمزوری پیدا کردی۔ خدا کیلیے ایسا نہ کہو۔ تمھاری اس سے میرا دل کمزور ہوتا ہے مین تمھارے خیال کی تائید کرتا ہون کہ دلاور تو خیر اسکے نام سے ڈرتے ہین مگر ماشاءاللہ تم خود سمجھدار ہو۔ تم خود نے نامردی میرا یہ مطلب نہین کہ لیکن کم ہون اور مین آسانی سے اسپر فتحمند ہون گا مگر دنیا کا فلسفہ یہ ہے کہ ہر چیز اپنی ایک حالت نہین رہتی یا ترقی یا تنزلی اور جب کوئی چیز ترقی کرتے کرتے درجہ کمال کے آخری زینہ پر ہے تو پھر اسکے بعد یقینی تنزلی ہوتی ہے ہلال بدر ہوجاتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ اپنی اصلی حالت پر پہونچ جاتا ہے بہار کے بعد خزان کا دور آنا ضروری ہے۔ غنچہ مسکراتا ہے اور ہنستے ہی کھل جاتا ہے کلیین آتا ہے اور شگفتہ پھول کا کام تیار کرتا ہے انھین پھولونکو اُن حسینونکی نصیب ہوتی ہے جنکی صرف تمنا مین سیکڑون بیچارے تڑپتے تڑپتے گوشہ قبر آباد کر

مین پزیرون کا کیا نتیجہ ہوتا ہے - جہان وہ خوشبو کم ہوئی نظرون سے گر گئے اور توڑ کر پھینکدیا
پھول خشک ہو کر خاک ہوگئے اور وہی خاک پیرون سے روندی جانے لگی -

آفتاب پستی سے نمودار ہو کر ترقی کرتا ہے مگر اسکا عروج بھی صرف دو ہی پہر رہتا ہے آخر
ان جھکتا ہے اور اسطرح جھکتا ہے کہ اس قابل بھی نہین رہتا کہ کسی کو اپنا چہرہ بھی دکھا سکے
نظرون سے بھی غائب ہوجاتا ہے -

شائد اب تم میرا مطلب سمجھ گئی ہوگی - دلاور نے ترقی کی اور ضرور کی مگر اب اسکی ظلم کی
بھی اسقدر دراز ہوگئی ہے کہ وہ خود اُسکے باندھنے کے لیے کافی ہے -

رہا یہ خیال کہ وہ اور اُسکا گروہ بہت قوی ہے - اُس کا مقابلہ آسان نہین - سچ ہے مگر
ساتھ ہی اُسکے کمزور سے کمزور آدمی اسباب فراہم ہونے پر بڑے سے بڑے دشمن کا مقابلہ
کرسکتا ہے - علاوہ اسکے اگر اسکی طاقت زیادہ ہے مگر پھر بھی خداوند عالم کی قدرت کے مقابلہ مین
اسقدر ہے کہ نکتہ خیال مین بھی نہین آسکتی - خدا ہماری ضرور مدد کریگا -

مین پھر کہتا ہون کہ جب تک جسم مین قطرہ خون بھی باقی ہے مین مقابلہ کیے جاؤنگا
اور اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ خدا میری مدد کریگا نتیجہ مین کامیابی کا سہرا میرے ہی سر
ہوگا - مین یہ بھی جانتا ہون کہ ہر ہر قدم پر مشکل پڑی ہوگی - مصیبتین میری راہ روکینگی

مشکلے نیست کہ آسان نشود
مرد باید کہ ہراسان نشود

مجکو امید ہے اور قوی امید ہے کہ تم میری ہمت افزائی کروگی تم سمجھدار ہو اور
نہ ہو -

اس تقریر نے نورجہان پر وہ اثر کیا کہ خون مین جوش آیا اور وہی چہرہ جو زرد ہو رہا
تھا پھر سُرخی دوڑ گئی - اور گلاب کی طرح پھول سا چہرہ چمکنے لگا - اور آہستہ سے کہا کہ خیر
ہے مجکو خدا کی ضمانت مین دیا -

ظفر حسین نے سنا اور دل مین سوچا کہ اب زبان سے کچھ نکالنا نہین اگر نورجہان
کا دل بدل گیا تو بڑی خرابی ہوگی اور یہ کہتا ہوا باہر چلا گیا - شکریہ ہے کہ تم نے اجازت

ہاتھ بڑھنا تھا کہ رگ رگ میں لہو ڈوب گیا
پھر بھی مرحلہ چاکِ گریبان نکلا (عزیز)

باب ۳

ایسے قاتل سے کہو کیا کوئی امید رکھے
دلکو جو خون میں ڈوبا ہوا پیکان سمجھا (عزیز)

ایک اور قتل

زرد کوٹھی کے قتل کا واقعہ لکھنؤ بھر میں مشہور ہو گیا۔ اڈیٹروں نے اخباروں کے پیپے مختلف رائیں دینا شروع کیں۔

کوئی لکھتا ہے کہ یہ عجیب قتل کسی پرانے جھگڑے کا باعث ہے۔

کوئی الفاظ کے پردہ میں سوداگر صاحب کی لڑائی کے کریکٹر پر حملہ کرتے ہوئے قتل کی وجہ ظاہر کرتا ہے غرضکہ جتنے قلم اتنی تحریریں۔ ہر اخبار میں پولیس سے استدعا کی گئی وہ اپنی پوری کوشش اس مقدمہ میں صرف کریگی۔

ظفر حسین کمرہ میں ایک کرسی پر خاموش بیٹھا ہوا ہے۔ کبھی آنکھ کھولتا ہے اور سوچتا گویا کسی گہرے خیال میں ہے۔ یکایک حسین بخش کو آواز دی۔

ظفر حسین۔ حسین بخش کمرہ کی ہر چیز اٹھا اٹھا کر مجھکو دکھا کر علیحدہ رکھتے جاؤ۔ سب سے پہلے ایک ایک کتاب مجھکو دکھاؤ۔ حکم کی تعمیل ہوئی ۲۰ کتابیں نکلیں جن کے اوراق الٹ کر دیکھنے کے بعد علیحدہ رکھدی گئیں۔ اب چینی کے برتن دیکھے جانے لگے۔ ایک پیالہ کے نیچے پنسل سے لکھا ہوا ایک تعویذ نکلا۔ جسکو حسین بخش نے دیکھکر دہن رکھدیا۔

ظفر حسین۔ کیوں کیا ہے میں نے تم سے کہا تھا کہ کوئی چیز بھی مجھکو بغیر دکھائے نہ رکھو۔

حسین بخش۔ (مسکراکر) میاں تعویذ ہے۔

ظفر حسین۔ (بیتابی سے آگے بڑھکر) لاؤ دیکھوں۔ حسین بخش کے ہاتھ سے واقعی تعویذ تھا۔

۲۰۰	۵۰	×	
	۵۰	۲۰	۲۰۰
		۱۰	×
۱۴۹	۱×آ	۴۴۵ - ۶۴۵	۳
۲۰۳ - ۶۳۷ ۳ ہ ک			۲ ہ ل ۳۳۴

مگر خدا معلوم اس میں کونسا نقش بنا تھا کہ اب جو نظریں جمیں تو نہ ہٹنا تھیں نہ ہٹیں
حسین بخش لاکھ لاکھ دریافت کرتا ہے "میاں کیا ہے اگر جڑی بخار کا تعویذ ہے تو مجھکو ضرور دیجئے
میری چھوٹی لڑکی کو بخار آتے ہوئے دو مہینہ سات دن ہوگئے دوائی کرتے کرتے پریشان
ہو گیا مگر بخار پیچھا نہیں چھوڑتا"

ظفر کو خبر بھی نہیں کہ وہ کیا بک رہا ہے۔ گویا فضا میں پھیلی ہوئی ہوا اس آواز کو
کانوں میں پہونچاتی ہی نہیں۔

جب حسین بخش نے کئی مرتبہ کہا تو صرف اس سے یہ کہہ دیا کہ "تم کمرے کے باہر
چلے جاؤ"

حسین بخش فوراً کمرے سے دل میں کہتا ہوا نکلا "افسوس ظفر میاں کے دماغ پر سوداگر صاحب
کے قتل کا بڑا اثر پڑا بھلا تعویذ میں کونسی ایسی چیز بنی ہے کہ دیکھنے کے قابل ہو۔ اور بےطرح
کہ میں نے کئی مرتبہ پکارا مگر جواب تک نہ دیا۔ کچھ سوچکر بات یاد آیا۔ اسی تعویذ نے سوداگر صاحب
کا بھی دماغ خراب کیا تھا وہ تو گویا بالکل سٹری ہو گئے تھے۔ پنسل سے نقش بناتے اور جب
پلنگ سے اُٹھتے تو دیا سلائی سے جلا کر خاک کر ڈالتے بلکہ خاک کو بھی پانی سے مل ڈالتے۔
یا خدا یہ کیا بات ہے (کمرہ میں جھانک کر) اے لیجئے وہ ابھی تک اسی کو دیکھ رہے ہیں۔
خدا خیر کرے اب ہم لوگوں کا آب و دانہ اس گھر سے اُٹھ گیا۔ وہ تو خیر ہوئی میں نے غور سے
تعویذ نہ دیکھا ورنہ میری بھی یہی حالت ہو جاتی میں تو کہیں کا بھی نہ رہتا۔ انھیں خیالات
کے سلسلہ میں محو تھا کہ ظفر حسین نے آواز دی۔

ظفر حسین۔ حسین بخش یہان آؤ میز پر سے سادہ کاغذ اور پنسل اٹھا دو۔
حسین بخش (دل مین) بالکل ٹھیک یہ بھی اسی خبط مین مبتلا ہوئے۔ بڑا منحوس تعویذ ہے پنسل کاغذ ظفر حسین کو دیا مگر منھ پھیر کر۔
اس عجیب حرکت کو دیکھکر ظفر حسین نے پوچھا۔
ظفر حسین۔ یہ تم نے منھ پھیر کر پنسل اور کاغذ کیون دیا۔
حسین بخش۔ میان بہت غریب آدمی ہون۔
ظفر حسین۔ پھر غریبی اور اس حرکت سے کیا مطلب۔
حسین بخش۔ جی کچھ بھی نہین۔
ظفر حسین۔ کچھ پاگل ہوگئے ہو دماغ ذہین پلٹ گیا۔
حسین بخش۔ جی حضور میرا دماغ بلکہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (خاموش)
ظفر حسین۔ جلد کہو بلکہ میرا دماغ پلٹ گیا کیون یہی مطلب ہے نہ؟
حسین بخش۔ مین ڈرتا ہون۔
ظفر حسین۔ عجب احمق آدمی ہو خبردار جلد بتاؤ۔ میرا قیمتی وقت خراب نہ کرو۔
حسین بخش۔ میان خدا کے لیے یہ چیز جو آپکے ہاتھ مین ہے بڑی خراب ہے اس کو پھاڑ ڈالیے مجکو ڈر معلوم ہوتا ہے۔
ظفر حسین۔ یقیناً تم کو کوئی دورا اُٹھتا ہے بھلا کاغذ سے ڈرنے کی کیا وجہ کیا شیر ہے بھیڑیا ہے۔ سانپ ہے بچھو ہے۔ آخر تمکو کیا دکھائی دیتا ہے۔
حسین بخش۔ بلکہ ان سب چیزون سے بھی خوفناک۔
ظفر حسین۔ اچھا میری طرف دیکھو اس مین سوائے ہندسون کے اور کیا بنا ہے۔
حسین بخش (دونون ہاتھون سے آنکھین بند کرکے) للہ مجھے ترس کھائیے مین مرجاؤنگا مجھکو کوئی دلاسا دینے والا بھی نہین۔
ظفر حسین۔ (ڈانٹ کر) اگر تم صاف صاف نہ بتاؤگے تو ابھی پولیس کے حوالہ کرتا ہون یا پاگل خانے بھجواتا ہون۔
حسین بخش۔ حضور میرے حواس قائم نہین آپ اس پرچہ کو پلٹ کر رکھ دیجئے مین

سب کچھ بیان کر دونگا۔

ظفر حسین۔ (تعویذ کو رکھکر) اچھا اب بیان کرو میں نے تعویذ پلٹ کر رکھ دیا۔

حسین بخش نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ واقعی میں پرچے کا رخ پلٹا ہوا تھا جان میں جان آئی حواس قائم ہوئے۔ الٹی سیدھی سانس درست ہوئی جسم کا لرزہ کم ہوا کانپتے ہوئے پیروں میں قوت آئی۔ کہنے لگا۔

حسین بخش۔ میاں بات یہ ہے کہ سوداگر صاحب کے ساتھ بھی اس تعویذ نے ایسا ہی اثر کیا تھا جیسا کہ آپ کے ساتھ بلکہ کچھ اس سے بھی بڑھا ہوا۔ اس مرتبہ جس وقت سے لکھوائے تھے یہی تعویذ نگاہوں کے سامنے رہتا۔

یہ انھیں کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے شاید رکھکر بھول گئے ورنہ دو ایک اس طرح کے اور بنائے تھے مگر انکو جلا کر خاک کر ڈالا۔ میں نے خیال کیا کہ آپ پر بھی وہی اثر ہوا جو سوداگر صاحب پر تھا اگر میں غور سے دیکھونگا تو میں بھی آپ ہی کی طرح ہو جاؤنگا۔

اس خبر نے ظفر حسین کے دل میں اس درجہ خوشی پیدا کی کہ دل سے ہوتی ہوئی ہونٹوں پر تبسم بنکر نمودار ہوئی فوراً جیب سے دو روپئے نکالکر حسین بخش کو دیے اس نے سلام کر کے لے لیے کہا "خبردار کسی سے ذکر نہ کرنا" حسین بخش کمرے سے باہر آیا دل میں کہتا ہوا "لیجئے یہ پاگل بن نہیں تو اور کیا بھلا میں نے کونسا ایسا خزانہ بتا دیا جسکے انعام میں دو روپئے دیدیے اور لطف دیکھیے فرماتے ہیں کسی سے کہنا نہیں اگر کسی سے کہونگا تو وہ بھی سڑی سمجھیگا۔

وہ تو کہیے خدا نے بڑی خیر کی میں نے اُستادی کی کہ پھر نقش کو غور سے نہ دیکھا عجیب طرح کا تعویذ ہے اگر میرے پاس ہوتا تو سیکڑوں کو پاگل بنا دیتا۔ مگر لطف تو جب تھا کہ اس کا اُتار بھی ہوتا" ادھر یہ اپنے خیال میں مست اُدھر ظفر حسین نقش دیکھنے میں محو

کبھی پہلی سطر غور سے دیکھی اور یہ خیال کر کے کہ تیسرا ہندسہ بالکل مٹ گیا ہے کچھ پتہ نہ چلے گا دوسری سطر کو دیکھا اور بطریق ابجد الفاظ الٹ پلٹ کر بنائے تو۔ زنجیر۔ نگر۔ بجن سرود رنگ۔ دل۔ زنبورہ۔ کریم۔ الفاظ بنے جن سے کچھ مطلب حل نہوا۔

چہرہ پر اُداسی چھا گئی۔ مایوسی کا پوڈر پھر گیا۔

تیسری لائن میں دوسرا ہندسہ مٹا ہونیکی وجہ سے کچھ نہ بنا۔

اسبار ہی چوتھی سطر اسکا کوئی ہندسہ بگڑا نہ تھا۔ پورا خیال اسکی طرف رجوع کیا۔ غور کرنی

پر معلوم ہوا کہ وہ اکسں مفرد حرف کے نہین یقینی یہ ایک سے زیادہ حروف سے مرکب ہو کر بنا ہے۔

۹۱۴۴ سے یہ الفاظ بن سکتے ہین۔ مطلع۔ احمق۔ طلسم باز۔ صابون۔ طلسمی۔ سعیدہ اسی طرح دوسرے خانہ مین ایک ا ور ریک ۱ ملکر ۲ ملکر دو ہوئے اور ۲ (ب) کے ہوتے ہین (۲) دو سے کوئی لفظ بھی نہین بن سکتا۔ اسلیے سوائے حرف (ب) اور کچھ ہو نہین سکتا تیسرے خانہ مین ۲۴۵ نفی ۴۴۵ اگر ۴۴۷ مین سے ۴۴۵ گھٹائین تو ۲۰۰ نکلتے ہین۔

اگر دو سو سے مفرد حرف لیا جائے تو (ر) ہے۔

اگر دوسو سے مرکب الفاظ بنائے جائین تو۔ عقل۔ نفع۔ انقلاب زدہ۔ حلیم اطلع مکل نکل۔ قسم۔ وغیرہ بنے۔

اب رہا آخر کا خانہ۔ تین (۳) ہوتے ہین (ج) کے۔

اور تین سے مرکب الفاظ ہوئے۔ اب۔ آب۔ با۔ بابا۔

اب ہر لفظ کو دوسرے۔ تیسرے۔ اور چوتھے خانون کے الفاظ سے ملاکر پڑھنا شروع کیا کوئی با معنی عبارت نہ بنی جس سے مطلب حل ہوتا۔ دماغ پریشان ہو گیا۔ جسم پسینہ پسینہ ہو گیا مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا پریشان ہو کر اٹھنے ہی کو تھا کہ پہلے خانہ کے لفظ "طلسمی" دوسرے خانے کے حرف (ب) اور تیسرے خانہ کے حرف (ر) اور چوتھے خانہ کے حرف (ج) سے ملکر "طلسمی برج" بنا۔

معاذاللہ اس دو لفظی جملے نے وہ اثر کیا گویا جسم مین بجلی دوڑی اور کرنٹ کے اثر سے اچک پڑا۔ فوراً کھڑا ہو گیا۔ اسپر بھی طبیعت نہ ٹھہری تو کمرے مین ٹہلنا شروع کیا۔ خوشی ہے کہ بڑھتی جاتی ہے وہ بھلا اس کمرے کی حد تک کہان محدود رہتی۔ کمرے کے باہر آکر کوٹھی کے چبوترے پر ٹہلنا شروع کیا حسین بخش نے جو یہ حالت دیکھی تو وہ سمجھا کہ اب تعویذ نے پورا اثر کیا کہین ایسا نہ ہو میان مجھے مارنے لگین۔ فوراً باہر چلا گیا۔

ادہر ظفر حسین نے چند منٹ ٹہلنے کے بعد آہستہ آہستہ کہنا شروع کیا۔ بیشک میرے خیال صائب تھے۔ چچا جان کی موت کا باعث یہی "طلسمی برج" ہے وہ ضرور اس راز سے واقف ہو گئے تھے اگر ایسا نہ ہوتا تو دلاور جان کا دشمن نہ ہو جاتا۔ لوگون کا خیال ہو گیا تھا

کہ طلسمی برج ایک فرضی نام ہے نہ کوئی خزانہ ہے نہ خاندان آودھ کو اس سے کوئی تعلق ہے خوشی میں عجیب حالت تھی کہ مسرت کا برعکس پہلو نظر آیا اور پھر اسطرح سوچنے لگا۔

مگر مجھکو اس سے کیا فائدہ حاصل ہوا۔ دو ہندسے مٹے ہوئے ہیں۔ سوائے اس کے کہ مجھے طلسمی برج کے نام سے واقفیت ہو گئی اور کیا ہوا۔ نقش کو نکالکر نیچے بنے ہوئے اعداد سے کوئی نہ کوئی مطلب ضرور نکلیگا۔ اسوقت تو دماغ کام نہ دیگا پھر سوچونگا۔ جس کتاب سے یہ نقش چچا جان نے نقل کیا ہے وہی دلاور چاہتا تھا اور اسکو ملی نہیں کوتوال صاحب نے ورق ضائع کردیے بیشک وہ اسی کتاب کے تھے۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ نہ یہ معلوم ہوا کہ طلسمی برج ہے کہاں اور نہ اسکا راستہ دریافت ہوا۔ کچھ سوچکر نیچے بنے ہوئے نشانات اور ہندسوں سے راستہ کا پتہ چل سکتا ہے۔ اس خیال نے ترقی کی اور دماغ کی گندگی گاہوں میں نقش نے راستہ پیدا کرنا شروع کیا۔ لاکھ لاکھ کوشش کی مگر فضول۔ جب کوئی مطلب کی بات نہ بنی تو ایک خیال نے رہبری کی۔ چچا جان مفلوج تھے ایک پیر اسقدر لنگ کرتا تھا کہ پیدل چلنا دشوار تھا۔ زیادہ دور نہ جا سکتے تھے۔ اب دریافت یہ کرنا ہے کہ اگر اس مرتبہ وہ آئے تو کہاں کہاں گئے۔ کچھ سوچکر حسین بخش کو آواز دی وہ بیچارہ ڈرتے ڈرتے کانپتا ہوا سامنے حاضر ہوا۔

ظفر حسین۔ تم جانتے ہو کہ چچا جان کس تانگے پر آیا جایا کرتے تھے۔

حسین بخش۔ ہاں حضور یہاں سے تھوڑی دور ایک خورشید تانگہ والا رہتا ہے سوداگر صاحب جہاں بھی جاتے اسی کے تانگہ پر۔

ظفر حسین یہ سنکر خوش ہو گیا۔ حکم دیا کہ پانی حمام میں رکھدو میں نہاؤنگا اور اندر تو شبراتن سے کہو کہ چائے بنائے۔ ظفر حسین نے پرچہ کوٹ کی جیب میں نہایت احتیاط سے رکھا۔ حمام کرنے کے بعد چائے پی حسین بخش کو ہمراہ لیکر سیدھا تانگہ والے کے یہاں پہنچا۔ حسن اتفاق سے وہ بھی موجود تھا۔

ظفر حسین۔ (تانگہ والے سے) سوداگر صاحب کو جانتے ہو۔

تانگہ والا۔ (آبدیدہ ہوکر) ہاں حضور بڑے اچھے آدمی تھے خدا انھیں جنت نصیب کرے نہیں معلوم کون ایسا دشمن تھا جسنے انکو قتل کیا۔ بخدا ان سے بڑی آمدنی تھی۔ خدا بخشے بڑے سخی آدمی تھے مجھکو ایک مرتبہ کپڑے بھی دیے تھے۔

ظفر حسین - مین یہ نہین پوچھتا کہ وہ کیسے آدمی تھے اچھے یا خراب یہ بتاؤ کہ ۵ نومبر کو یا اسکے بعد تمھارے تانگہ پر وہ کہین گئے تھے -

تانگہ والا - اے حضور ۵ نومبر پر کیا منحصر ہے پہلے بھی وہ لال باغ - چارباغ - حضرت گنج امین آباد - سکندر باغ غرضکہ ہر جگہ جہان جانا چاہتے تھے میرے ہی تانگہ پر جاتے تھے -

ظفر حسین - تم بڑے بکی آدمی معلوم ہوتے ہو ایک روپیہ دیکر) یہ لو اور بتاؤ مین جو پوچھتا ہون - غور سے سن لو صرف اتنا بتاؤ کہ سوداگر صاحب ۵ نومبر کو یا اسکے بعد تمھارے تانگہ پر کہان کہان گئے تھے - سمجھے -

تانگہ والا - (روپیہ لیکر) حضور اسکی کیا ضرورت مین جیسے ان کا گلام (غلام) ویسے آپکا کھادم (خادم) دیکھیے وہ وہان گئے تھے بھلا سا نام ہے ہان یاد آ - - - - - . . . .

ابھی لفظ آیا بھی زبان سے نہ نکلا تھا کہ فیر کی آواز آئی اور تانگہ والا ظفر حسین کے پیر کے پاس تڑپتا ہوا دکھائی دیا - گولی ٹھیک سینہ پر پڑی تھی خون کا فوارہ جاری تھا ظفر حسین نے چارون طرف مڑکر دیکھا مگر کسی کو نہ پایا - تھوڑی دیر مین لوگون کا ہجوم ہوگیا تھانہ سعادت گنج مین رپورٹ ہوئی نعش پولیس اسپتال روانہ کردی گئی -

ظفر حسین ایک تانگہ پر بیٹھکر سیدھا کوتوالی پہونچا -

مر گیا بیمار صبح ہجر اتنا کہکے بس
تجھ سے امیدا سے شب فرقت کبھی ایسی نہ تھی (عزیز)

باب ۴

یہ کیا خبر تھی کہ لکنت پسند ہین ورنہ
زبان حضرت موسٰی مین گفتگو کرتے (عزیز)

ظفر حسین جب کوتوالی پہونچا تو انیس احمد صاحب دیکھتے ہی کہنے لگے -

کوتوال صاحب - آیئے مسٹر ظفر مین نہایت بیچینی سے آپکا انتظار کر رہا تھا - خیریت سے آپ اسقدر پریشان کیون ہین چہرہ پہ ہوائیان چھوٹ رہی ہین کیا کوئی جدید واقعہ پیش آیا -

ظفر حسین۔ کیا عرض کروں ابھی ایک تانگہ والے سے کچھ دریافت کرنے گیا وہ کچھ بتانے بھی نہ پایا تھا کہ آسمانی گولی کا نشانہ بن گیا۔

کوتوال صاحب۔ یعنی قتل ہو گیا۔

ظفر حسین۔ جی ہاں۔

کوتوال صاحب۔ آپکے سامنے مارا گیا قاتل کون ہے۔

ظفر حسین۔ افسوس کہ وہ خود نہیں دکھائی دیا۔

کوتوال صاحب۔ مجھکو گیارہ سال پولیس کی نوکری کرتے گذر رہے۔ سینکڑوں واقعات قتل ہوئے۔ مگر یہ معاملہ کچھ ایسا ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا۔ آپنے بتانے کا دعوی کیا تھا کہ میں قتل کے اسرار سے واقف ہوں۔ اور بہت کچھ جانتا ہوں۔ مہربانی فرما کر بتائیے۔

ظفر حسین۔ بے شک میں واقف ہوں اور بتانے کو بھی تیار ہوں مگر پہلے کمرہ کا دروازہ بند کر لیجئے۔

کوتوال صاحب۔ جناب یہ کوتوالی ہے یہاں پرندہ پر نہیں مار سکتا آپ کچھ خوف نہ کریں بالکل اطمینان رکھیے۔

ظفر حسین۔ میں ایک لفظ بھی نہ بتاؤنگا دیوار ہم گوش دارد۔

کوتوال صاحب۔ لو دروازہ بند کرکے لیجئے اب اطمینان ہوا۔

ظفر حسین۔ ہاں اب سنیئے۔ جو خط ملا اُسکے راقم سے تو آپ واقف ہی ہونگے آپ یہ بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ قتل روپیہ کے لالچ میں نہیں ہوا خط کے الفاظ "چیز مطلوبہ مجھکو دیدو ورنہ قتل کیے جاؤ گے۔ بلکہ دلاور اس چیز کے معاوضہ میں خود ایک کثیر رقم دینے کو موجود تھا اب یہ سوال کہ وہ چیز مطلوبہ کیا ہو سکتی ہے۔ کتاب کے پھٹے ہوئے چند اوراق اسقدر ضروری تھے کہ ایک عیاری سے لے لیے گئے اس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ چیز مطلوبہ سوائے اس کتاب کے جسکے وہ چند شکستہ ورق بھی دلاور نے ہم لوگوں کے پاس رہنا پسند نہ کیے اور کوئی دوسری چیز نہیں۔

اب غور طلب بات یہ ہے کہ وہ کونسی ایسی کتاب ہے جسکے لیے اتنی کوشش کی گئی میں نام سے تو واقف نہیں مگر ہاں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اس میں طلسمی برج کا راز تحریر تھا۔

کوتوال صاحب۔ بھلی واہ۔ آخر دھوکا کھایا۔ ایک فرضی چیز جس کا نام و نشان بھی نہین۔ خدا معلوم کتنے آدمیون نے اسکی تلاش کی۔

واقعی اگر اس نام کا کوئی خزانہ لکھنؤ کی زمین پر ہوتا۔ تو پتہ لگانے والے ابتک نہ چھوڑتے سیکڑون آدمیون کو یہ خبط ہوا اس عارضہ مین مبتلا ہوے مگر آخر کار اس خبط نے اُن کا اسی وقت پیچھا چھوڑا جب ملک الموت نے رہائی دی مین آپکے اس خیال کو بالکل مہمل تصور کرتا ہون۔

ظفر حسین۔ بس یا ابھی کچھ اور لکچر دینا ہے۔

کوتوال صاحب۔ جی نہین جو کچھ مجھے کہنا تھا عرض کر چکا۔

ظفر حسین۔ ابتک جو کچھ مین نے اپنا خیال ظاہر کیا بغیر کسی محکم دلیل کے نہین بیان کیا ہر بات کا ثبوت پیش کرتا گیا۔

کوتوال صاحب۔ ہان مین جانتا ہون مگر یہ کوئی بات نہین کہ جو کچھ بھی آپ کہدین وہ درست ہی ہو عقل کے خلاف کسی بات کا یقین کر لینا انسانی فطرت سے دور ہے۔

ظفر حسین۔ اچھا کوتوال صاحب اب غور سے سُنیئے آپ کے چلے آنے کے بعد کمرہ کی ہر چیز کا معائنہ کیا محنت ٹھکانے لگی۔ اور خزانہ "طلسمی گنج" کی کنجی مل گئی۔

کوتوال صاحب۔ پھر کیا ہے بادشاہت لیجئے ہاتھ نہ کھو لیجے گا۔

ظفر حسین۔ پہلے میری پوری بات تو سُن لیجئے آپ تو گفتگو کا سلسلہ توڑ دیتے ہین۔ ہان تو "طلسمی گنج" کی کنجی ملگئی یعنی ایک پرچہ ملا جسکی پہلی سطر کے تیسرے خانہ کا اور تیسری سطر کے چوتھے خانہ کا حصہ بگڑا ہوا تھا۔ مگر چونکہ لائن ٹھیک تھی اسکو مین نے حل کیا نہایت پریشانی کے بعد کامیابی ہوئی اور "طلسمی گنج" معلوم ہوا کہ پھر حسین بخش سے معلوم ہوا کہ چچا جان ہی کے ہاتھ کا بنا ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اس راز سے واقف ہو گئے تھے۔

کوتوال صاحب۔ (حیرت و تعجب) واقعی اگر ایسا ہے تو کامیابی کا تاج۔ اور فتحمندی کا سہرا آپ ہی کے سر ہوگا۔ مہربانی فرما کر مجکو بھی وہ نقش دکھائیے کہ میری آنکھین سینکلون

ظفر حسین۔ ابھی پیش کرتا ہون پورا واقعہ سُن لیجئے۔ ہان تو مین پھر تانگہ والیکے پاس اس غرض سے گیا کہ چچا جان ۵۔ نومبر کو یا اُسکے بعد کہان کہان گئے۔ اس سے کم از کم اس

مقام کا پتہ چل سکتا تھا کہ طلسمی برج کس جگہ ہے مگر افسوس وہ اسقدر فضول گو تھا کہ اُسنے میرا وقت بھی برباد کیا اور کوئی نتیجہ نہ نکلا بیچارہ وہ مقام بتانے ہی کو تھا کہ موت کے فرشتہ نے ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا۔

کوتوال صاحب۔ میری الجھن بڑھتی جاتی ہے اب وہ نقش دکھائیے۔

ظفر حسین کا ہاتھ جیب میں گیا۔ پرچہ نکالا۔ دیکھا تو لکھا تھا۔

"مسٹر ظفر تمھاری ماما سخت نمک حرام ہے چاندی کے پانچ چمکتے ہوئے سکوں نے اُسکی آنکھیں چوندھیا دیں جس پرچہ کو تم غلطی سے خزانے کی کنجی سمجھے ہوئے تھے مجھ تک آگیا جسوقت تم حمام کر رہے تھے اُسی وقت یہ کارروائی ہوئی ماما کی تلاش بیکار ہے اسوقت وہ ایسی جگہ کھانا پکا رہی ہے کہ تمھارا خیال بھی نہیں پہونچ سکتا خدا کی پناہ اس نوشتہ نے اُڑتے ہوئے کلوروفارم کا اثر کیا سر جھکرایا آنکھیں بند ہوگئیں غشی طاری ہوئی۔ ہاتھ کانپا۔ کاغذ گر پڑا۔

کوتوال صاحب نے کاغذ اٹھا کر پڑھا تو اُنکو بھی تعجب اور حیرت نے گھیرا ظفر حسین کی سی تو حالت نہ ہوئی مگر تھوڑی دیر بت کی طرح بے حس و حرکت بیٹھے رہے پھر ظفر حسین کے کوٹ اور قمیص کے بٹن کھولے۔ ہوا آنے کے لیے کھڑکی کھولی مُنھ پر پانی کا چھینٹا دیا تو ظفر حسین نے آنکھ کھولی اور کہنے لگا۔

ظفر حسین۔ ابھی تک دشمن زک پر زک دے رہا ہے جو ارادہ کیا وہ فضول ہوا ہر ہر لفظ جو زبان سے نکلتا ہے اسکی اطلاع ہو جاتی ہے میں تو یہاں تک کہنے کو تیار ہوں کہ وہ دلی خیالات کا بھی نگران ہے اور اُن سے بھی آگاہ ہو جاتا ہے۔

کوتوال صاحب (جوش میں) میں آپکو یقین دلاتا ہوں کہ دلاور سے انتقام نہایت سخت لیا جاویگا۔ میں اس خیال کی تائید کرتا ہوں کہ وہ نقش ضروری اور نہایت اہم تھا مگر خیر خدا مالک ہے میں اپنی پوری قوت اس مقدمہ میں صرف کر دونگا اس مرتبہ دلاور کی موت پولیس کے ہاتھ سے ہے اور دنیا بہت جلد دیکھے گی کہ وہی دلاور جسکی طاقت اندازہ سے باہر ہے کس طرح جمہیا کی موت مارا گیا۔

ظفر حسین۔ ہاں آپ ٹھیک فرماتے ہیں مگر اس کا ضرور خیال رہے کہ اُسکے گروہ کا ہر آدمی نہایت چالاک اور شاطر ہے جو کام کیا جاوے نہایت ہوشیاری سے میرا مطلب

خدانخواستہ یہ نہیں ہے کہ آپکا ایسا ہوشیار پولیس افسر دھوکا کھا جاوے گا مگر پھر بھی احتیاط لازم ہے ۔

کوتوال صاحب ۔ مسٹر ظفر آپکی نصیحت کی ضرورت نہیں پولیس کی نوکری کرتے ہوئے گیارہ (۱۱) سال گذر گئے اس مدت میں مجھکو تھوڑا بہت تجربہ بھی حاصل ہو گیا ہے یہ چند معمولی عیاریاں جو بدمعاشوں نے کیں ان سے آپ یہ نتیجہ ہرگز نکالیں کہ میں کچھ نہیں کرسکتا اصل واقعہ یہ ہے کہ ابھی تک میں نے کوئی کارروائی نہیں شروع کی میں آپکی ذہانت کا قائل ہوں ۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ ہی کی مدد سے اہم ترین مشکلیں آسان ہوں گی ۔ ہاں ایک بات خوب یاد آئی آپ نے کہا تھا کہ سوداگر صاحب کے قاتل کا پتہ لگانا چاہیے ۔ اس سے کیا مطلب میں نے بہت غور کیا مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا یہ واقعہ ہے یا یونہیں آپنے کہدیا ۔

ظفر حسین ۔ میں نے آپ سے کون ایسی بات کہی جو جھوٹ نکلی ۔ اس بات سے کوئی مقدمہ کو مدد نہیں مل سکتی ۔ ایسی ضروری بات نہیں مگر چونکہ ایک واقعہ تھا میں نے عرض کردیا تھا میں یہ چاہتا ہوں کہ ایک رپورٹ تیار کر کے اخبار بجنسہٖ میں شایع کرا دوں جس سے پبلک کو اس قتل سے پوری پوری واقفیت ہو جاوے رپورٹ بہت کچھ لکھ چکا ہوں صرف دو ایک باتیں اور تحریر کرنا ہے انشاءاللہ اس رپورٹ سے قتل کے واقعہ پر پوری پوری روشنی پڑیگی ۔

کوتوال صاحب ۔ مہربانی فرماکر مجھکو بھی سنائیے ۔

ظفر حسین ۔ رپورٹ ابھی مکمل نہیں پورا کرلوں تو سناؤں ۔

کوتوال صاحب ۔ خیر جو آپ تحریر فرما چکے ہیں وہ ہی سنائیے جو کچھ رہ جاوے وہ زبانی بیان کر دیجئے گا ۔

ظفر حسین نے رپورٹ سنانے کو نکالی کہ ٹیلیفون میں گھنٹی ہوئی ۔

کوتوال صاحب ۔ دم بھر توقف کیجئے میں سن لوں کہ کیا معاملہ ہے ۔

کوتوال اٹھے سنا اور ظفر حسین سے کہنے لگے "سپرنٹنڈنٹ صاحب نے مجھکو طلب کیا ہے ۔ کچھ ضروری باتیں دریافت کرنا ہیں میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں آپ باقی رپورٹ بھی یہیں بیٹھے بیٹھے تیار کر لیجئے ۔ آپ ہی کا کہنا ہو گیا کہ رپورٹ پوری ہو جائے

تو زیادہ لطف آئیگا۔

اچھا مین جاتا ہون۔ یہ کہکر کوتوالی کے پھاٹک تک آئے دیکھا کہ ایک تانگہ خالی کھڑا ہے فوراً بیٹھکر روانہ ہوگئے۔

ظفر حسین نے بیٹھکر اطمینان سے رپورٹ مکمل کی مگر کوتوال صاحب نہ پلٹنا تھے نہ پلٹے جب بہت دیر ہوگئی تو گھبرا کر اٹھا اور دلمین کہا خدا خیر کرے کہ اتنے مین ایک سپاہی آیا اور ظفر حسین کو ایک لفافہ دیا۔

ظفر حسین۔ یہ کیسا۔

کانسٹبل۔ ایک آدمی آکر دے گیا کہ آپکو دیدون۔

ظفر حسین۔ وہ آدمی ہے۔

کانسٹبل۔ جی نہین وہ دیکر کمپنی باغ کی طرف چلا گیا۔

ظفر حسین نے لفافہ کھولکر خط نکالا مضمون حسب ذیل تھا۔

"ظفر حسین جوانی کے جوش مین مجھسے مقابلہ پر تیار نہ ہو باوجود پے در پے ناکامیاب ہونے کے تم اپنے خیال پر جمے ہوئے ہو۔ تم نے برا کیا کہ کوتوال انیس احمد سے بہت کچھ بیان کردیا گو میرا نقصان کچھ نہ ہوا۔ مگر مین نہ چاہتا تھا کہ تم پولیس کو کچھ بھی بتاتے ابھی تک مین نے تمکو اس خیال سے کوئی جسمانی تکلیف نہین دی کہ ممکن ہے تم اپنے خیال سے باز آؤ۔ مگر تم ایک ضدی آدمی معلوم ہوتے ہو مین تمکو مطلع کرتا ہون کہ تم خاموش ہوکر بیٹھو۔ ورنہ بہت جلد تمھین بھی اپنے چچا کی ہم آغوشی نصیب ہوگی۔ مین مکرر کہتا ہون کہ مجھے بر سر پیکار نہ ہو اور جو رپورٹ تم نے ابھی تیار کی ہے اسکو چاک کر ڈالو۔ کوتوال انیس احمد صاحب کا راستہ مت دیکھو۔ انکا پارسل خیریت سے مجھ تک پہونچگیا۔ اس وقت قیدخانہ مین نہایت جوش دکھا رہے ہین مجھکو انکی بیتابی پر ہنسی معلوم ہوتی ہے۔ امید ہے کہ تم میرا کہنا مانوگے اور دلاور کی طرح جوش مین پھنسکر اسکی شبیہ سے مقابلہ نہ کروگے فقط۔"

خط پڑھنے کے بعد ظفر حسین کو انیس احمد صاحب کے غائب ہونیکا افسوس ہوا اور بہت دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔ دلاور کی دھمکی سے خیالات مین تبدیلی کیسی بلکہ پر شکن بھی نہ پڑی۔ ہیڈ کانسٹبل سب انسپکٹر کو بلا کر واقعہ سے اطلاع دی۔ کوتوالی صاحب کی جستجو ہونے لگی کوتوالی مین ہلا کیسے کے حواس جاتے رہے۔ ظفر حسین اٹھا اور کہکر روانہ ہوگیا۔

گفتمش دل را نشانہ دہ کجا گم کردۂ
گفت آرے جائے در زلف پریشانم گرفت (عزیز)

باب ۵

خندۂ حسن ستمگر کی صدا آتی ہے
دل کے ناسور سے جس وقت ہوا آتی ہے

ملاقات

صبح کے پانچ بجے ہیں ظفر حسین سو کر اٹھا نماز سے فراغت کی ہاتھ منھ دھو کر چائے پی رہا ہے کہ حسین بخش نے آواز دی "میاں کوئی صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں" باہر آیا تو دیکھا اخبار "عجیب" کے اڈیٹر صادق احمد بیٹھے ہیں۔

صادق احمد۔ میں بموجب ارشاد حاضر ہوں۔

ظفر حسین۔ بڑی زحمت ہوئی۔

صادق احمد۔ جناب تکلیف کس بات کی اس میں تو میری ہی منفعت ہے ہاں پیشک آپ کو زحمت ضرور ہوئی ہیں اس لیے اسقدر سویرے حاضر ہوا ہوں کہ آج ہی پانچ بجے تک رپورٹ چھپ جائے۔ پبلک اصل واقعات سننے کے لیے نہایت بے چینی سے انتظار کر رہی ہے۔

ظفر حسین۔ (رپورٹ دیکر) آپ ملاحظہ کر لیجئے جہاں شبہ ہو دریافت کر لیجئے۔

صادق احمد رپورٹ پڑھتے جاتے تھے چہرہ پر خوشی کے آثار نمایاں تھے پوری رپورٹ پڑھکر ظفر حسین کی ذہانت اور لیاقت کی تعریف کرنے کے بعد شکریہ ادا کیا اور سائیکل پر بیٹھکر چلے گئے۔

ظفر حسین مکان میں داخل ہوا کپڑے پہن کر سیدھا کوتوالی پہونچا۔ انیس احمد صاحب کا ابتک پتہ نہ چلا۔ سب انسپکٹر پولیس سے بڑی دیر تک گفتگو رہی قریب تھا کہ کوتوالی سے باہر آئے دیکھا ایک آدمی بہت غور سے دیکھتا ہوا نکل گیا۔ ظفر حسین کو شبہ ہوا

وہ وکٹوریہ پارک سے ہوتا ہوا امام بارہ آصفی مین داخل ہوا اور اندازہ ہوکر بولی کے نام سے
مشہور ہے اُسکی عمارت مین غائب ہوگیا چپہ چپہ چھان مارا مگر اُس کا نشان تک نہ پایا مجبور
ہوکر واپس ہونیکا ارادہ کیا دیکھا ایک صحنچی مین دو کرسیان بچھی ہوئی ہین۔ تھکن دور کرنے
کے لیے بیٹھا ہی تھا کہ سامنے سے ایک آدمی۔ بلند قد۔ کھلتا ہوا رنگ۔ بڑی بڑی مونچھین
ہنگر کوٹ زیب تن پاؤن مین سیاہ وارنش کا پمپ جوتی دار گھٹنہ پہنے داخل ہوا۔ دوسری
کرسی گھسیٹ کر بیٹھا اور کہنے لگا، معاف رکھنا مین اس تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہون مین نے
ہی تمکو اپنے آدمی کے ذریعہ سے اس طریقہ پر بلوایا تھا۔ مین نے خیال کیا کہ تم آدمی کا پیچھا کرکے
ویسا ہی ہوا۔ تمکو بلانیوالا کوئی غیر معلوم شخص نہین۔ وہی دلاور ہے جسکے کریکٹر پر تم بار بار حملہ
کر رہے ہو۔ یہ پہلی ملاقات ہے مین خوش ہون کہ تمھارے چہرہ پر کسی قسم کے خوف کے آثار نہین

ظفر حسین۔ مین نہین خیال کرتا کہ ڈرنے کی کیا وجہ آخر تم بھی آدمی ہو۔ فقط تم مین اور مجھ مین یہ
فرق ہے کہ تم ناپاک زندگی بسر کرتے ہو۔ ظالم ہو۔ ڈاکو ہو۔ خونی ہو۔ خلقت کے لیے پلیگ اور
کالرے سے زیادہ مہلک ملیریے سے زیادہ تکلیف دہ۔ مین مخلوق کو اس آزار سے بچانیوالا۔ پھر تم سے
ڈرنیکی کیا وجہ۔ یہ سنکر دلاور کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ آنکھین خون کبوتر کی طرح لال ہوگئین اور
اس طرح کہنے لگا۔

دلاور۔ بس بس مین تم جیسے چھوکرے کی زبان سے ایسے گستاخ الفاظ اپنی شان مین سننا پسند
نہین کرتا تم ابھی ہرگز نہین واقف کہ مین کون ہون۔ میری طاقت کس پیمانہ پر ہے۔ میرے
غصہ کی بھڑکتی ہوئی آگ کا ایک ادنیٰ شعلہ تمکو جلا کر خاک کر سکتا ہے مین تمھارا خاتمہ اسی طرح
کر سکتا تھا جس طرح تانگہ والے کا مگر کیا کرون خدا معلوم کونسی قوت ایسا کرنے سے روکتی ہے
کیون تم میرے اس کہنے سے مسکرائے۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہین ہو سکتا کہ تم مجھکو بناؤ اور
مین بھیگی بلی کی طرح خاموش رہون۔ مین جانتا ہون کہ تمھاری عقل تیز ہے۔ تم اپنی عمر سے
زیادہ ذہین ہو۔ مگر یاد رکھو مین دلاور ہون میرے نام سے شجاعت ٹپکتی ہے میرے نام سے
بہادری آشکار ہے۔ میرے نام ہی سے دلیری ظاہر ہوتی ہے۔ کیون اے لڑکے کچھ سمجھ مین آیا۔

ظفر حسین۔ اچھی طرح سمجھا۔ گرجتے ہین زیادہ جو وہ اکثر کم برستے ہین۔ خوب اپنے منھ میان مٹھو
بنے خیر اگر تم یہ کہتے ہو کہ مین بہادر ہون تو یہ بھی یاد رکھو کہ مین بھی ظفر ہون۔ فتح میرے ہی
ہاتھ ہے۔

قطرہ اپنا بھی حقیقت مین ہے دریا لیکن
ہم کو تقلید تنک ظرفی منصور نہین
(غالب)

شاید تم اس بات پر نازان ہو کہ چند عیاریون سے مجھکو دھوکا دیا یہ کوئی ایسی بات نہین کہ مین اپنے خیال سے ہٹ جاؤن (اور پھر نہایت بے پرواہی سے سگرٹ نکالکر پینے لگتا ہے)

دلاور جوش مین آکر کھڑا ہو گیا - ہاتھ کے بید کو گردش دیتے ہوئے ٹہلنے لگتا ہے - اسوقت اس کے چہرے سے خونخواری ٹپک رہی تھی خالی کرسی کو اپنی طرف گھسیٹا غصہ سے دونون ڈنڈون کو پکڑ کر جھٹکا اور کہنے لگا -

دلاور - مین پھر کہتا ہون ہوشیار ہو کر سنو - اپنی جوشیلی طبیعت کے زعم مین آکر میرا مقابلہ نہ کرو (جیب سے پستول نکالکر) دیکھو موت تمھارے سامنے ہے - اسکی ایک آواز سے تم ہمیشہ کے لیے خاموش ہو جاؤگے - کہو اب میرا کہنا ماننے کے لیے تیار ہو یا بجلی چمکے اور تمھاری نعش اس اندرہ مین غوطہ کھاتی ہوئی دکھائی دے - بولو جلد جواب دو -

ظفر حسین کے دل مین خوف پیدا ہوا پستول کا منھ اپنی طرف دیکھکر گھبرایا مگر پھر سنبھلکر کہنے لگا -

ظفر حسین - کیون تم اپنے کو بہادر سکتے تھے - شجاعت کے یہی معنی ہین - مین خیال کرتا تھا کہ واقعی تم منچلے آدمی ہو مگر اس کمینی حرکت سے اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ تم نہایت بزدلے اور ڈرپوک ہو تم کو اپنی اسی قوت پر ناز تھا - یہ کیا کہ سامنے پستول لیکر کھڑے ہو گئے اور وہ بھی فضول صرف میری ہمت مین کمی پیدا کرنے کی غرض سے - بھلا تم مین کیا قدرت ہے بلکہ تم ایسے ہزار دلت مین کم میرا بال بھی بیکا کر سکین - میرے ساتھ خدا کی مدد اور تمھارے ساتھ شیطانی گروہ کی طاقت ہو پھر بھلا ان دونون قوتون کا کیا مقابلہ بس بس میرا وقت مت ضائع کرو - جس کام کے لیے بلایا ہے وہ کہو -

دلاور (پستول جیب مین رکھکر) خیر اسوقت تمکو چھوڑتا ہون اور وقت دیتا ہون کہ سوچ
سنو مین نے تمکو اس لیے بلایا ہے کہ کیا تم نے رپورٹ ایڈیٹر تہذیب کو دیدی -

ظفر حسین - ہان دیدی -
دلاور - تو کیا آج پبلک مین میری حقیقت اور راز کھل جائے گا -
ظفر حسین - بیشک ایسا ہی ہوگا -

دلاور۔ اچھا مین یہ بھی برداشت کرسکتا ہون کہ پولیس اور پبلک دونون میری حقیقت سے
آگاہ ہوجاوین مین جانتا ہون کہ پولیس میرا کچھ نہین کرسکتی مگر تم سے قدرے اندیشہ ہے اسلیے
مین امید کرتا ہون کہ تم خاموش ہوکر بیٹھو۔ روپیہ مجھسے لو اور اپنے آبائی پیشہ (تجارت) کو ترقی
دو۔ تجارت نہایت اچھی چیز ہے۔ تم ذہین ہو۔ چالاک ہو۔ عقلمند ہو بہت جلد ترقی کروگے
کیا فائدہ ایک خونخوار شیر کے سامنے کھڑے ہوکر اپنی عزیز جان خطرہ مین ڈالو جاؤ انسپکٹر احمد
[illegible]تو ال سے کہو کہ آپ جائین اور آپکا کام دکٹوریہ پارک کے انگریزی قبرستان مین ایک قبر
سے ہم آغوش ملین گے وہ بیہوش ہین ہلاک نہ ہون گے عرق لیمو کے تین قطرے بیہوشی دفع
کردین گے۔ تمھاری آسانی کے لیے لیمو بھی وہین ملے گا کیون اب راضی ہو۔ شاباش تم نہایت
سمجھدار آدمی ہو۔

ظفر حسین۔ میرا دماغ اپنی فضول بکواس سے کیون پریشان کرتے ہو مین نے تہیہ کرلیا ہے
کہ تم کو شکست دونگا آج نہین تو کل۔ ایک دن ضرور آئیگا کہ تمھاری عیاریون کا شیرازہ
[illegible]بکھر جائیگا اور دنیا تمکو جعلساز معمولی اُچکا سمجھے گی۔
[illegible]ور۔ (غصہ سے) معلوم ہوا کہ تم ضدی ہو تو کیا تم میرا کہنا نہ مانو گے۔
[illegible]حسین۔ ہرگز نہین۔
[illegible]ور۔ تم کو ماننا پڑیگا۔
[illegible]حسین۔ کیونکر۔
[illegible]ر۔ اس طرح سے کہ جس نوجوان کو تم جان سے زیادہ عزیز سمجھتے ہو اُسکے غائب ہونے
[illegible]آخر مین سوت۔ ۔ ۔ ۔

پورا جملہ بھی نہ ختم ہوا تھا کہ ظفر کا چہرہ متغیر ہوا آنکھون مین آنسو ڈبڈبا آئے۔ بدحواس
[illegible]لگا۔

[illegible]مین۔ خدا کے لیے ایسا نہ کرنا وہ بہت نازک ہے اس کا دل اس قابل نہین کہ ایک
[illegible]بات بھی برداشت کرسکے۔ وہ ظلم پر ظلم اٹھا چکی۔ اسکی حالت قابل رحم ہے تم ابھی کہہ
[illegible]ہین بہادر ہو ایک عورت پر ظلم کرنا کہان تک روا ہوسکتا ہے مگر نہین یہ فقط تمھاری
[illegible]بات ہے کسی طرح یقین نہین کرسکتے اچھا اب مین جانا چاہتا ہون۔
ٹھہرو۔ دیکھو وہ سامنے کون آرہا ہے۔

ظفر حسین نے نظر اُٹھا کر دیکھا تو ایک ہشت سالہ لڑکی ہاتھ میں مٹھائی کا دونا لیے مسکراتی ہوئی چلی آ رہی ہے۔ چہرہ اسقدر بھولا ہے کہ دیکھنے والے کو پیار معلوم ہو۔

"دیکھو ظفر حسین یہ میرے ایک چیلے کی یتیم لڑکی شمیمہ ہے اس نے کتنا اچھا پارٹ کیا۔ ہاں شمیمہ دیکھو مسٹر ظفر کو سلام کرو اور جو کچھ تم نے اپنا ایکٹ اُسنے سمجھا دیا اُسکو بالفاظ کا جامہ پہنا کر ظفر حسین کو سُنا دو۔"

لڑکی نے نہایت ادب سے جھک کر سلام کیا دونہ سے ایک مٹھائی کی ڈلی لیکر منھ میں رکھی اور اسطرح سر جھکا کر کہنے لگی۔

شمیمہ میں روتی ہوئی مکان میں گئی اُن بیوی نے مجھکو روتا دیکھکر پوچھا بیٹا تم کون اور کیوں روتی ہو میں رونے لگی اور کچھ نہ بتایا جب بہت پوچھا تو میں نے کہا میرے بھیا میرے ساتھ تھے ایک کٹی ہوئی کنکیا کے پیچھے دوڑے خدا معلوم کہاں غائب ہو گئے بڑی دیر تک راستہ دیکھا مگر پلٹ کر نہ آئے یہ کہکر میں نے پھر رونا شروع کیا بیچاری بڑی رحم دل ہیں بیکل ہو گئیں اور کہا "میں ابھی تمھارے بھیا کو ڈھونڈھ لئے دیتی ہوں باہر ماما کو بھیجا کہ دربان سے کہدے (بھلا سا نام دیکھیے ہاں یاد آیا حسین بخش) جا کر تلاش کرے۔ وہ تو ادھر گیا اودہر ان بیچاری نے اپنے ہاتھ سے میرا منھ دُھلایا سر جھکا کر دیکھیے بالوں میں کنگھی کی بازار سے مٹھائی بھی منگوا دی ایک ڈلی اور منھ میں رکھکر تو بس میں چپ ہو گئی پھر ڈیوڑھی میں گئی وہاں چلا کر کہا دیکھیے بیگم یہ کیا ہے وہ دیکھنے آئیں میں نے وہ شیشی جو آپ نے دی تھی ہاتھ میں لیکر کہنے لگیں بڑی خوشنما شیشی ہے۔ کہاں سے پائی میں نے کہا باہر کہیں سے اُٹھا لائی انھوں نے کاگ نکال کر سونگھا کہنے لگیں بڑی تیز خوشبو ہے شاید یہ ڈھونڈھ رہے تھے جہاں سے اُٹھا کر لائی ہو وہیں رکھ آؤ پھر ایک مرتبہ سونگھا اور کہا خدا معلوم کیا ہے میرا جی متلانے لگا پردہ ہٹا کر اندر جانا چاہا کہ سر پکڑ کر بیٹھ گئیں بیٹھنا کہ بے ہوش ہو گئیں رسیلی دکان پر وہ بجالی ماموں جان آئے۔ اُنکو اُٹھا کر باہر لائے دروازہ پر موٹر کھڑا تھا مجھکو بھی جلدی کا اور یہاں اُتار کر کہیں چلے گئے میں آپکے پاس چلی آئی۔

ظفر حسین خاموشی سے سُنتا رہا آنکھوں سے برابر اشک جاری تھے بس نہ تھا کہ اُٹھا کر اندارہ میں پھینک دیتا سامنے دلاور کھڑا ہوا لڑکی کی فطرت پر ہنس رہا تھا۔

ظفر حسین سے جب ضبط نہ ہو سکا تو کہنے لگا۔ اے کمبخت لڑکی تو ایک ناگن ہے

تیرے بھولے چہرہ مین خدا معلوم کسقدر دغابازی کی جھلک ہے یہ عمر اور یہ چالاکی۔ مگر اے منحوس لڑکی یاد رکھ کہ خدا تجھکو اسکی سزا بہت جلد دیگا۔

لڑکی نے گویا سُنا ہی نہین مٹھائی کھانے کے بعد خالی دونا اشارہ مین پھینکر کہنے لگی۔

جی ہان خوب یاد آیا مین نے اُنکے ہاتھ سے یہ انگوٹھی بھی اُتار لی تھی دلاور نے انگوٹھی لڑکی کے ہاتھ سے لیکر ظفر حسین کے سامنے پھینکدی اور کہا کہ لو اس انگوٹھی کو پہن لو اسسے نور جہان کی یاد ہر وقت تازہ رہیگی کہو اب کیا ارادہ ہے مین وعدہ کرتا ہون کہ اگر تم اپنے خیال سے باز آؤ تو گھنٹہ بھر مین کھوئی ہوئی دولت تمکو مل جائیگی۔

ظفر حسین۔ اے بدمعاش میرے سامنے سے دور ہو جو تیرے جی مین آئے کر دیکھ سوچکر مگر ایک عورت پر ظلم کرنے سے کیا فائدہ مین تجھسے التجا کرتا ہون کہ میری نور جہان پیاری نور جہان کو تکلیف مت دینا۔

دلاور۔ اچھا تمکو وقت دیا جاتا ہے اطمینان سے سوچو اگر تم اپنے خیال سے باز نہ آئے تو وہی کرونگا جو کہہ چکا ہون مین اب جانا چاہتا ہون۔ ظفر حسین۔ بخدا ایسا کرنے سے میرے نفس کو خود تکلیف ہوئی مگر افسوس کہ سوائے اسکے کوئی چارہ ہی نہین مین اچھی طرح جانتا ہون کہ اگر تم اپنے خیال سے باز آ سکتے ہو تو اسی طریقہ سے یہ کہکر ایک شیشی کھولی اور ایک سفید سفوف ظفر کی ناک پر پھینکا جس سے چھینک آئی اور فوراً بے ہوش ہو گیا۔ آنکھ کھلی تو اپنے کو امام باڑہ آصفی کی سبز گھاس پر پایا۔

اٹھا بیماروں کی طرح آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا کمپنی باغ مین جہان دلاور نے انیس احمد کوتوال کا پتہ دیا تھا پہونچا دیکھا واقعی انگریزی قبرستان مین پڑے ہوئے ہین اور قریب ہی ایک لیمو بھی رکھا ہے توڑکر حلق مین عرق نچوڑا تو ہوش آیا اور کہنے لگا۔

کوتوال صاحب۔ آپ کہان۔

ظفر حسین۔ جہان آپ وہان مین۔

کوتوال صاحب۔ چارون طرف دیکھکر اور مین کہان ہون۔

ظفر حسین۔ کوتوالی کے قریب کمپنی باغ کے انگریزی قبرستان مین۔

کوتوال صاحب۔ بدمعاشون نے بڑا سر اُٹھایا ہے۔ دھوکہ سے ٹیلیفون دیا اگر کبھی

اپنا ہی سمجھا میں سوار ہو کر چلا تھوڑی دور پر ایک مرد شریف ملے تانگہ والے سے دریافت کیا حضرت گنج چلو گے۔

تانگہ والے نے مجھ سے اجازت چاہی میں نے خیال کیا کہ کیا ہرج ہے غریب کا نفع ہو جائیگا چھتر منزل کے قریب پہونچکر اُن صاحب نے پانون کی ڈبیا کھولی خود کھایا مجھکو دیا میں نے پہلے تو انکار کیا مگر بھر بے حد اصرار کی وجہ سے کھا لیا کھانا تھا کہ سر جھکا لیا کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ غشی طاری ہو گئی - آنکھ کھلی تو تاریک تہ خانہ میں تھا دلاور کا سامنا ہوا غضب کا فطرتی آدمی ہے مجھکو بہت کچھ دھمکایا ڈرایا کہ اب عمر بھر اسی خانہ میں قید رہو گے جب میں نے بھی جواب سخت دیا تو ہنستا ہوا چلا گیا - کھانا نہایت پُر تکلف بھیجا مگر بھوک کسے تھی دوسرے ڈر معلوم ہوتا تھا کہ خدا معلوم زہر ملا دیا ہو مگر پھر خیال کیا ہر چہ بادا باد ایک نوالہ کھا کر پانی پیا رات بھر سوچا کیا کہ آخر میں کس مقام پر ہون مگر کچھ نہ معلوم ہو سکا صبح ہوتے آنکھ لگ گئی بدمعاش نے شاید سوتے ہی مین مجھکو بے ہوش کیا آنکھ کھلی تو آپکو دیکھا اب یہ بتائیے آپکا آنا کس طرح ہوا۔

ظفر حسین - اب کوتوالی چلیے وہان پہونچکر تمام واقعہ عرض کرونگا۔

دونون آدمی اُٹھے اور کوتوالی روانہ ہو گئے -

ظاہر مین ایک سادہ ورق ہی یہ دل مگر
نقش طلسم راز ہے اک کارساز کا
(عزیز)

باب ۶

گرہ دل کی کھلی ایک ناخنِ رنگین خون ہو کر
ہمین یہ طرز حلِ عقدۂ مشکل پسند آیا
(عزیز)

رپورٹ

قریب ۵ بجے اخبار نصیب نکلا اور اس کثرت سے بکا کہ جس شخص کے ہاتھ مین دیکھیے ایک پرچہ ہے کوتوالی مین اسوقت انیس احمد صاحب کوتوال بیٹھے ہوئے ہین گرد ایک مجمع

اور اخبار پڑھا جا رہا ہے۔

(زرد کوٹھی کے قتل کا انکشاف)

جناب اڈیٹر صاحب تسلیم!

۹ نومبر ۱۹۱۶ء روز پنجشنبہ کو جو تین آدمی زرد کوٹھی واقع محلہ سعادت گنج لکھنؤ میں قتل ہوئے ہیں اسکے متعلق لوگ عجیب و غریب رائے پیش کرتے ہیں پبلک نہایت بے چینی سے اصل واقعات سننے کی خواستگار ہے مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ میری رپورٹ کو پڑھکر واقعات کی اصلیت۔ قتل کا سبب۔ قاتل کا نام اور اسکی کارروائیاں اچھی طرح سمجھ میں آجائینگی۔

شجاعت حسین صاحب سوداگر دہلی کے باشندے تھے اور خاص طور سے قالیچوں کی تجارت کرتے تھے۔ مگر ۱۹۱۰ء میں آگ لگی دوکان جل گئی اور قریب تیس ۳۰ ہزار روپیہ کا نقصان ہوا یہ نقصان ایسا نہ تھا کہ آدمی بغیر کسی صدمہ کے برداشت کر سکے۔ چنانچہ سوداگر صاحب بیمار پڑے اور ایسے بیمار پڑے کہ زندگی سے نا امید ہو گئے مگر خداوند عالم نے روبہ صحت کیا۔ حالت بدل گئی ابھی پورے طور سے اچھے نہ ہوئے تھے کہ فالج گرا جان تو بچگئی مگر چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے جب افاقہ ہوا تو سوداگر صاحب نے بجائے اسکے کہ اپنی پرانی تجارت قالیچوں کی شروع کرتے۔ سچی چینی کے برتن۔ پرانی قلمی تصاویر اور کتابیں خریدنا شروع کیں۔

جب کافی ذخیرہ ہو گیا تو دوکان کھولدی۔ آدمی نہایت عقلمند تھے۔ اصول تجارت سے واقف کافی تجربہ کار۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اپنا نقصان پورا کر لیا اور اسقدر ترقی کی کہ ہندوستان کیا بلکہ غیر ممالک میں بھی مشہور ہو گئے۔ سوداگر صاحب جب لکھنؤ آتے تو مسلم نصیر ہوٹل میں مقیم ہوتے مگر مارچ ۱۹۱۶ء میں یہی زرد کوٹھی جس میں قتل واقع ہوا ہے ایک صاحب حامد حسین نامی سے ۷ ہزار روپیہ کی خریدی عمارت نہایت شاندار اور کشادہ ہے مگر بہت جگہ سے بوسیدہ ہے۔ سوداگر صاحب نے بہت کچھ مرمت کرائی ہے پرانی کتابوں کا ذخیرہ کافی ہو جانے کی وجہ سے سوداگر صاحب میں ایک خاص بات یہ پیدا ہو گئی تھی کہ دن بھر کتابیں دیکھا کرتے بلکہ شب کا ایک بڑا حصہ بھی اسی شغل میں صرف ہوتا۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہی وہ شوق تھا جسکی وجہ سے سوداگر صاحب کو دائمی اجل کی

ہم کناری نصیب ہوئی یعنی ایک کتاب ایسی دستیاب ہوئی جس میں طلسمی برج [illegible]
اور اسکے خزانہ کا راز درج تھا یہ کوئی معمولی بات نہ تھی وہی طلسمی برج جس کے نام سے لکھنؤ
ہر فرد بشر واقف ہے۔

بڑے بڑے لوگوں نے اسکے دریافت کرنے کی کوشش کی مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا اور عاجز
ہو کر تصور کر لیا کہ اس نام کی کوئی چیز نہیں قصہ کہانیوں کی طرح یہ بھی ایک مہمل بات ہے غرض
جب سوداگر صاحب کو اس خزانہ کا حال معلوم ہوا تو ہم لوگ ستمبر ۱۹۱۱ء میں دہلی کو خیرباد کہکر لکھنؤ
کا سفر اختیار کیا۔ اس کے قبل جب سوداگر صاحب آئے تو تنہا آتے چونکہ اس مرتبہ ایک عظیم
ارادہ سے آئے تھے تو مع اپنی صاحبزادی نورجہاں اور تمام متعلقین کے آئے اور طلسمی برج
تلاش کرنے لگے۔

اب میں ایک نئی بات اور تحریر کرنا چاہتا ہوں کہ لکھنؤ کا بچہ بچہ دلاور کے نام سے واقف
ہے وہی دلاور ڈاکو جس کے گرفتار کرنے کے لیے پولیس نے پوری کوشش کی تھی مگر یہ
دلاور کوئی معمولی اچکا یا چور نہیں۔ وہ ایک عقلمند ذہین شاطر ذکی و فہیم آدمی ہے
ناظرین آپ تعجب نہ کریں کہ دلاور کو کسی طرح سے طلسمی برج کا راز معلوم ہو گیا۔ اور آخر میں
وہ اُس پر قابض بھی ہو گیا۔ پولیس کو دھوکا دینے کی اُس نے ایک نہایت عمدہ چال چلی
یعنے ۱۹۰۵ء میں ایک لاش گومتی سے برآمد ہوئی اور دلاور نے اپنے چیلوں کے ذریعہ
یہ مشہور کرا دیا کہ یہ نعش دلاور کی ہے۔ یہ اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا جیسا کہ وہ سوچا
کامیاب بھی ہوا۔ آخر کار پولیس و نیز تمام پبلک نے دھوکا کھا کر یقین کر لیا کہ جو دلاور ان
کوششوں سے بھی گرفتار نہ ہوا یہ اسی کی نعش ہے اب دھوکا دینے سے مردہ تصور کرکے لوگوں
نے اُسکے خیال کو دل سے محو کر دیا اور وہ بڑے بڑے ڈاکے ایسے واقعات جن سے عقل [illegible]
ہوتی ہے نہایت اطمینان سے انجام دینے لگا۔

اب میں پھر اپنے پہلے خیال کی طرف رجوع ہوتا ہوں یعنی شجاعت حسین جب لکھنؤ
اور طلسمی برج کی تلاش کی تو یہ بات دلاور کو معلوم ہو گئی۔ اُس نے سوداگر صاحب
سمجھایا کہ وہ کتاب جس میں راز تحریر ہے مجھکو دیدو دکھلا سوداگر صاحب سے کب ہو سکتا تھا
اتنا بڑا ملتا ہوا خزانہ ہاتھ سے جانے دیتے افسوس ہے کہ اگر وہ کسی دوسرے سے بھی
تو بہت ممکن تھا کہ کامیاب ہوتے مگر خزانہ اور وہ بھی کیسا کہ شاہان اودھ کا [illegible]

تذکرہ دوسروں سے کیا کرتے۔ غرضکہ دلاور نے ایک خط سوداگر صاحب کو لکھا کہ جتنا روپیہ
درکار ہو مجھ سے لو اور چیز مطلوبہ (یعنی وہ کتاب جس میں "طلسمی برج" کا راز تحریر ہے) مجھ کو
دیدو۔ ورنہ اپنی جان سے ہاتھ دھو رکھو۔ اور راقم کی جگہ بجائے نام کے ایک جملہ "میرا خط" لکھا
اس سے اسکا یہ مطلب تھا کہ اگر خط کسی دوسرے کو ملے تو وہ میرے نام سے واقف ہو کر سامنے نہ آ
سکے اس نے خط اس طرح تحریر کیا کہ ہر سطر کے شروع حروف میں اپنے نام کے حروف تحریر
کیے پورے خط کی سطروں سے اسکا نام دلاور صاف پڑھا جاتا تھا۔

سوداگر صاحب نے اپنی حفاظت کا معمولی انتظام یہ کیا کہ کلو اور حسینی جو دو نوکر ان کے
ہمراہ تھے رات کو جاگا کریں۔ اُن دونوں آدمیوں نے اپنے پاس ایک ایک ڈنڈا اسکے آخری
حصہ میں لوہا لگا ہوا تھا رکھا جس شب کو دلاور اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ زرد کوٹھی میں
آیا تو شب کے دو بجے تھے کلو اور حسینی غالباً اسی وقت سوئے تھے۔ سوداگر صاحب اسی
کتاب کا مطالعہ کرسی پر بیٹھے کر رہے تھے۔ پلنگ کی چادر پر ایک شکن کا بھی نہ ہونا صاف
ظاہر کر رہا ہے کہ اس وقت تک سوداگر صاحب مطالعہ ہی کر رہے تھے اور پلنگ پر قدم
بھی نہ رکھا تھا کہ دلاور آگیا۔ اس نے کتاب مانگی مگر سوداگر صاحب نے انکار کیا۔ اس میں
کوئی شک نہیں کہ سوداگر صاحب نہایت جیدار اور مضبوط تھے۔ باوجودیکہ دلاور مع اپنے
ہمراہیوں کے اُن کے سامنے موجود تھا مگر انھوں نے کتاب دینے سے انکار ہی کیا۔ باتوں کی
آواز سے حسین بخش ملازم سوداگر صاحب کی آنکھ کھلی وہ اٹھنا ہی چاہتا تھا کہ بدمعاشوں نے
اسکا کافی انتظام کردیا۔

سوداگر صاحب چیخ چیخ کر چلائے تو حسینی و کلو کی آنکھ کھلی وہ دونوں مع اپنے
ڈنڈوں کے سوداگر صاحب کے کمرے میں داخل ہوئے اتنے عرصہ میں دلاور نے کتاب چھین
لینے کا قصد کیا اور سوداگر صاحب نے نہ دینے کی کوشش کی جسکی وجہ سے چند ورق کتاب
کے پھٹ گئے اور بدمعاش اس جگہ سے ہٹ کر ایک گوشہ میں کھڑے ہو گئے۔ جب کلو اور
حسینی کمرہ میں داخل ہوئے تو کمرہ میں بالکل اندھیرا تھا۔ یہ دونوں آدمی یکا یک بیدار ہوئے تھے
اور دوڑے ہوئے تھے سوداگر صاحب بدمعاشوں کی طرف جھپٹ کر جانا چاہتے تھے حسینی اور کلو
کو غلطی سے سوداگر صاحب پہ چور کا شبہ ہوا (میں کہہ چکا ہوں کہ کمرے میں بالکل اندھیرا تھا)
دونوں آدمیوں نے دھوکا کھا کر سوداگر صاحب پر اپنے ڈنڈوں سے حملہ کیا اور قضا کار

دونوں لکڑیاں سوداگر صاحب کے سر پر پڑیں نہایت کاری پڑیں جس سے سوداگر صاحب
بغیر ایک لفظ بھی کہے ہلاک ہوئے۔ اب ان لوگوں کو اپنی غلطی محسوس ہوئی اس واقعہ پر
زیادہ سے زیادہ صرف دو منٹ صرف ہوئے۔ دلاور یہ چاہتا تھا کہ میں وہ پھٹے ہوئے
اوراق بھی لیتا جاؤں اس لیے وہ کمرے کے ایک گوشہ میں اطمینان سے کھڑا تھا۔ کمرہ نہایت
وسیع ہے اس نے خیال کیا کہ جب کلو اور حسینی کو اپنی غلطی محسوس ہوگی تو وہ ہم لوگوں کی جستجو
میں باہر دوڑ کر جائیں گے اور میں ان اوراق کو لیکر چلا جاؤں گا، یہ خیال اس کا غلط نکلا
ان دونوں کی نظر بدمعاشوں پر پڑی اور یہ لوگ ان کی طرف دوڑے۔ دلاور چاہتا تھا
کہ جہاں تک ہو سکے کام خاموشی سے ہونا چاہیے مگر جب دیکھا کہ کوئی چارہ نہیں تو اس نے
فیر کیا اور گولی حسینی کے سینے کو توڑتی ہوئی نکل گئی۔ گولی کی آواز حسینی اور سوداگر صاحب
کی موت ان سب نے ملکر کلو پر یہ اثر کیا کہ وہ بھی گر پڑا۔ گرتے ہی دل کی حرکت بند ہوگئی اور ہلاک
ہوگیا۔ اسی لیے بوقت تفتیش میں نے کوتوال صاحب سے کہا تھا کہ ہم کو سوداگر صاحب کے
قاتل کے قاتل کا پتہ لگانا چاہیے کیونکہ سوداگر صاحب کے قاتل بے قصور ہیں۔
گولی کی آواز سے محلہ والے چونکے ہوشیار ہو کر دوڑے اسلیے دلاور زیادہ دیر تک کمرے
میں نہ ٹھہر سکا اور چند ورق پھٹے ہوئے کتاب کے جنکو وہ لینا چاہتا تھا اٹھا کر چلا گیا
چلا گیا مگر پھر بھی کچھ ورق رہ گئے کیونکہ کمرے میں سخت اندھیرا تھا۔ اب بدمعاش
بھاگے تو کلو اور حسینی کے ڈنڈے بھی لیتے گئے۔ محلہ والوں کے اندیشہ سے بدمعاشوں نے
دو ہوائی فیر کیے اور بے شک ان کا یہ اثر ہوا کہ پھر کسی کی ہمت نہ پڑی جو بڑھ کر ان کو روکے یا
قدم بڑھائے۔
صبح کو جب کوتوال صاحب تفتیش کو آئے تو میں بھی تھوڑی دیر کے بعد وہاں سے آیا اس وقت
سوداگر صاحب کے کمرہ کا معائنہ ہوا۔ تو معلوم ہوا کہ بدمعاش روپیہ کے لالچ سے نہ آئے تھے
کیونکہ بکس میں کافی روپیہ موجود تھا اور دلاور کے خط سے بھی معلوم ہوتا تھا۔ دلاور نے
لکھا تھا کہ میری چیز مطلوبہ مجکو دیدو۔ میرا خیال ہوا کہ یقینی کوئی کتاب وہ چاہتا ہے اور
سوداگر صاحب اس دینے سے منکر ہیں۔ بیشک میرا خیال ٹھیک تھا کیونکہ وہ خط اور اوراق کتاب
ملنے کے بعد دلاور نے یہ بھی پسند نہ کیا کہ ایک پرچہ بھی اس کتاب کا کسی کے پاس رہے میں
بھی ان اوراق کی عبارت نہ پڑھ سکا چاہتا تھا کہ اطمینان سے پڑھوں مگر دلاور نے اپنے

خیال مین نہایت چالاکی سے وہ ورق غائب کرائے مگر مین یہ کہنے کو تیار ہون کہ وہ عقلمند ہی سہی پھر بھی آدمی ہے۔ اُس نے بڑی غلطی کی۔ کیونکہ اگر وہ اون اوراق کو اسطرح غائب نہ کرالیتا تو ممکن تھا کہ جو مین نے چند نتائج اخذ کیے تھے اُن سے خیال ہٹ جاتا۔

کوتوال صاحب کی تفتیش کے بعد مین نے کمرے کی ہر چیز پر پھر غور کرنا شروع کیا تو ایک نقش ملا جسکے ہندسے پنسل سے لکھے ہوئے تھے اور وہ ہندسے بھی مٹ گئے تھے۔ یہ نقش سوداگر صاحب نے اصل کتاب سے نقل کیا تھا۔ دیکھنے مین بالکل تعویذ معلوم ہوتا تھا مین نے سمجھنے کی بہت کوشش کی مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا سوائے اسکے کہ سخت محنت کے بعد صرف طلسمی برج پڑھ سکا ممکن تھا کہ پھر غور کرنے سے مین کچھ سمجھتا مگر بدمعاش نے میری ماما کے ذریعہ سے وہ بھی غائب کرالیا۔ مین تانگہ والیکے پاس اس غرض سے گیا تھا کہ اُس سے معلوم ہوجائے سوداگر صاحب تانگہ پر کہان کہان گئے تھے اس سے کم از کم طلسمی برج کی سمت اور جگہ معلوم ہوجاتی مگر دلاور نے عین اوسوقت جب وہ بتانا چاہتا تھا گولی سے اُسکو ہلاک کیا۔

مین کوتوال صاحب کے پاس گیا اور واقعات بیان کرنے لگا یہی رپورٹ جو ہدیۂ ناظرین ہے سُنانا چاہتا تھا کہ دلاور نے سپرنٹنڈنٹ صاحب کی طرف سے ٹیلیفون دیکر کوتوال صاحب کو بلالیا اور ایک جگہ قید کردیا۔ کہ مین کوتوال صاحب کو رپورٹ نہ سُنا سکون اور پولیس کو اصل واقعات کی اطلاع نہو۔ مجھکو بھی دھمکی دیکر کوشش کی گئی کہ واقعات پر پردہ پڑا رہے چنانچہ جس روز مندرجہ بالا رپورٹ مین نے تیار کرکے اڈیٹر صاحب کی خدمت مین پیش کی تھی دلاور نے ایک چالاکی سے امام باڑہ آصفی کی بولی مین بلاکر ہر طرح سے دھمکایا میرا استقلال دیکھکر مکار نے سوداگر صاحب کی لڑکی نور جہان (جو میری چچازاد بہن ہے) کو غائب کرالیا کہ شاید اب مین اپنے خیال سے باز آؤن۔ مگر جب مین اپنے ارادہ پر قائم رہا۔ تو کوتوال صاحب کو بھی رہا کردیا۔

جب مین دلاور سے ملکر آیا تو معلوم ہوا کہ ابھی تک رپورٹ نہین چھپی اور دلاور نے دلوبکا دیکر مطبع سے منگالی تھی دوران گفتگو مین دلاور نے مجھسے یہ نہ بتایا تھا کہ رپورٹ بھی منگالی ہے وہ جانتا تھا کہ اس سے اُسکا نقصان ہے۔ مین نے فوراً پھر رپورٹ لکھی جو ہدیۂ ناظرین ہے۔

اب مین یہ کہکر رخصت ہوتا ہون کہ آپ حضرات میری کامیابی کے لیے دعا فرمائینگے

نظر آیا تماشائے جہاں جب بند کی آنکھیں
صفائے قلب سے پہلو میں ہمنے جام جم پایا (آتش)

راقم
خیر خواہ پبلک ظفر حسین

باب

ہوتی عالم کے مرقع میں نہ کیونکر یکتا
تم کو ہر پیکر تصویر میں پنہاں سمجھا (عزیز)

تعقب

رپورٹ سابق شایع ہونیکے بعد لکھنؤ کی پبلک میں ایک عجیب اضطراب پیدا ہو گیا
کوئی کہتا کہ ولادر کے سے شاطر کا مقابلہ ہے خدا ہی ہے جو ظفر کو کامیابی ہو۔ کسی کی رائے ہوتی
کہ جس شخص نے اتنا پتا لگا لیا اُسکے نزدیک یہ کیا مشکل ہے کہ وہ ولادر کو گرفتار کرے۔ پولیس
کی طاقت اور ظفر حسین کی ذہانت دونوں کی مدد سے یقینی فتح ہوگی غرضکہ ظفر حسین کی مدح و
ثنا ہر شخص کرتا جس طرف سے ہو کر گذرتا لوگوں کی اُنگلی اُٹھتی۔ اخبارات میں مختلف مضامین
نکلتے جن میں ظفر حسین کی ہمت افزائی کی جاتی خود سپرنٹنڈنٹ صاحب نے بلاکر ذہانت کی
تعریف کی اور ایک ریفل رکھنے کا لیسن دستیاب ہوا۔ لکھنؤ کے ہر فرد بشر کو اس مقدمے سے
ایک خاص دلچسپی ہو گئی۔ جہاں کچھ آدمیوں کا مجمع ہوا وہاں طلسمی برج کی بابت گفتگو ہو رہی
ہے ظفر حسین کی کامیابی کی دعائیں مانگی جا رہی ہیں۔ مگر عورتوں تک میں بھی یہی گفتگو
ہوتی گویا فضاء لکھنؤ میں یہ ذکر اسطرح پھیلا ہوا تھا کہ ہوا کی سنسناہٹ میں بھی یہی الاپ
گایا جاتا تھا۔ صبح کے ۹ بج چکے ہیں ظفر حسین ایک آرام کرسی پر بیٹھا ہوا سوچ رہا ہے اُف ظالم نے
خدا معلوم نورجہان کو کہاں رکھا اور کس حالت میں ہے وہ بیچاری تو خود زمانہ کی کلفتیں
وہ حادثات کا نشانہ بنی ہوئی تھی۔ اوس پر اور ستم ہوا۔ واقعی اُس کا سمجھانا بہت ٹھیک تھا
ولادر کا مقابلہ آسان بات نہیں وہ کہہ چکا ہے کہ اگر تم اپنے خیال سے باز نہ آؤ گے تو خدا کی

وہ نور جہان کو مار ڈالے گا مگر نہیں یہ تو اُسکی فطرت ایسی کبھی نہیں وہ ضرور ایک بہادر آدمی
ہے گو لوگ اُسکو ایک ڈاکو کے نام سے یاد کرتے ہیں اور واقعی ہے بھی ایسا ہی مگر وہ معمولی چور
اچکّون میں سے نہیں اگر وہ چاہتا تو میرا کبھی خاتمہ کر دیتا لو تو وال انیس احمد صاحب ہی کو ہلاک
کر ڈالتا نور جہان کو وہ ہرگز ہلاک نہ کریگا ایک عورت کو مار ڈالنے سے اُسکو کیا حاصل ہوگا مگر بات
یہ ہے کہ جب وہ دیکھیگا کہ میں برابر اُسکے کامون میں دخل انداز ہو رہا ہون تو یقینی مجھکو دشمن سمجھکر
ضرر پہونچائیگا۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ میں نور جہان کو کسقدر عزیز رکھتا ہون اگر مار ڈالونگا
تو ظفر کا دماغ پلٹ جائیگا اور اصل میں واقعہ بھی یہی ہے۔ نور جہان کے بعد ایک پل بھی زندہ رہنا
گویا سولی پر رہنے سے بدتر ہے اچھا تو پھر ایسا کیون نہ کرون کہ دلاور سے ملکر کہدون میں اپنے
خیال سے باز آیا۔ نور جہان کو واپس کر دو۔ یا ایسا ہو ظاہر کر دون کہ میں نے کوشش کی مگر کچھ
حاصل نہ ہوا پولیس چلے اور اُسکا نام دل میں یہ خیال آیا تھا کہ جسم تھرا گیا اور پھر اسطرح کہنے
لگا میں خلقت خدا کو ہرگز دھوکا نہیں دینا چاہتا اگر ایسا کرون تو مجھ میں اور دلاور میں فرق ہی
کیا بلکہ اس سے بھی بدتر۔ لوگون کو صورت دکھانے کے قابل نہ رہونگا۔ اگر ذلت سے زندگی بسر کی
تو کیا اس سے تو مر جانا ہی بہتر ہے اور کیون نہیں خدا میری مدد کریگا اچھا تو اب مجھکو کیا کرنا چاہیے
بیشک میرے خیالات نا پاک تھے خداوند عالم میں تیری درگاہ میں معافی چاہتا ہون سوائے
تیرے اور کوئی میری مدد نہیں کر سکتا اگر میں حق پر ہون تو تیرا انصاف میری رہبری کریگا
میں نور جہان کو تیری حفاظت میں دیتا ہون تجھ سے بڑھکر اور کون ضامن ہو سکتا ہے

ان خیالات نے ظفر حسین کے دل میں ایک تازہ روح پھونک دی۔ چہرہ بشاش ہوگیا
عشق نے قوت دی محبت نے زور دکھایا اور یہ اٹھکر بیٹھ گیا۔

پھونکدی ایک روح دکھلا زور اعجاز عشق
بیٹھی سانسون میں نے لین تار گریبان نہین
(نذیر)

تھوڑی دیر کمرہ میں ٹہلا۔ پھر پنجابی ڈریس پہنا ایک نوجوان سکھ بنکر گھر سے نکل کھڑا ہوا
پھاٹک پر پہونچا دو ایک منٹ ٹھہرا کہ اُسی دروازہ میں ایک سادھو ملا۔ لانبا قد۔ گیروا لباس
زیب تن۔ بڑے بڑے بال پشت پر پڑے ہوئے تھے۔ تیزی سے ستاس کی طرف جا رہا ہے
ظفر حسین بھی پیچھے پیچھے روانہ ہوا۔ ستاسر میں پہونچکر وہ ایک یکہ پر بیٹھکر چلا۔ باغ اسٹیشن
روانہ ہوگیا ظفر حسین بھی ایک تانگہ پر بیٹھا اور اُسکا تعاقب کیا۔ اسٹیشن پہونچکر سادھو نے

کاکوری کا ٹکٹ لیا اور کھڑی ہوئی ٹرین میں جا کر بیٹھ گیا ظفر حسین نے بھی یہی کیا اور اُسکے برابر والے ڈبہ میں بیٹھ گیا۔

گاڑی چھوٹ نے میں پانچ منٹ کا عرصہ تھا۔ دیکھا کہ پلیٹ فارم پر ایک آدمی ہاتھ میں زرد رومال لیے ہلاتا ہوا جا رہا ہے۔ جسکو دیکھتے ہی سادھو اُتر پڑا۔ ساتھ ہی ظفر حسین بھی اتر پڑا۔ ان دونوں میں آہستہ آہستہ گفتگو ہونے لگی مگر اس خیال سے ظفر حسین دُور دُور رہا کہ اگر اُن سے ملحق ہو کر ساتھ رہونگا تو ممکن ہے کہ انکو کچھ شبہہ ہو۔ اس لیے کچھ فاصلہ پر رہا لیکن اُن کی نقل و حرکت کو غور سے دیکھتا رہا۔ زرد رومال والے آدمی نے ایک پرچہ نکالکر سادھو کو دیا جس کو دیکھکر اُس نے کہا تو کس وقت پہونچیگی جواب ملا تمھارے پہونچتے ہی مگر ہوشیاری سے کام کرنا یہ گفتگو کسی قدر بلند آواز میں ہوئی تھی کہ ظفر حسین نے سُن لی اب گاڑی نے سیٹی دی اور سادھو اپنی جگہ پر بیٹھ گیا ظفر حسین بھی اپنے مقام پر جا بیٹھا اور قیاس کے گھوڑے دماغ کی گذر گاہوں میں کاوے کاٹنے لگے۔ اس نے خیال کیا کہ یقینی یہ سادھو کسی ایسے مقام پر جا رہا ہے جہان سے کچھ روانہ کرنا ہے جس کیواسطے موٹر جائیگا کہین ایسا تو نہین ہے کہ یہ شخص وہان جا رہا ہو جہان بدمعاشون نے نوجوان کو قید کیا ہے اور اسکو کسی دوسرے مقام پر بھیجانے کی فکر ہو۔ بیشک ایسا ہی ہے۔ خیر خدا مالک ہے۔ تھوڑی دیر مین گاڑی کاکوری پہونچی۔ صرف چند آدمی اس اسٹیشن پر اترے ظفر حسین نے دیکھا کہ سادھو بھی اُترا اور اتر کر جب تھوڑی دُور نکل گیا تو ظفر حسین بھی اُتر کر اُس کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا۔ سادھو اسٹیشن سے باہر آیا اور جانب شمال روانہ ہوا۔ ظفر حسین کی نگاہین بھی اُسی پر جمی ہوئی ہین اور پوشیدہ پوشیدہ تعقب کر رہا تھا کہ سادھو ایک ویرانے کی طرف مُڑا۔ یہ بھی سایہ کی طرح اُدھر ہی مُڑ گیا تھوڑی دور جانے کے بعد ایک ٹوٹا ہوا شوالا نظر آیا۔ سادھو نے چارون طرف تجسس آمیز نگاہون سے دیکھا اور پھر اُسی شوالے مین چلا گیا۔ ظفر حسین نے تھوڑی دیر انتظار کیا۔ مگر وہ واپس نہ آیا آہستہ آہستہ یہ بھی شوالے کی طرف بڑھا خوب غور سے دیکھا مگر سادھو کو نہ پایا۔ خیال کیا کہ شوالے مین کسی مقام پر پوشیدہ ہوگا۔ نہایت ہوشیاری سے پستول ہاتھ مین لیکر شوالے مین قدم رکھا ہر طرف دیکھا مگر اُس کا پتہ بھی نہ تھا اب تو بہت تعجب ہوا سوچتے سوچتے ذہن مین آیا کہ اسی شوالے سے کوئی پوشیدہ راستہ ہے چارون طرف دیکھا تو سوائے ایک پتھر کی مورت کے جسکے گلے مین سوکھے ہوئے پھولون کا ہار بتا رہا تھا کہ لوگ اس

دیران مقام مین بھی شوالے مین پوجا پاٹ کرنے آتے ہین کسی چیز کو نہ پایا۔ پیا ایک مورت کے داہنے
جانب شوالے کے کونے مین ایک زنجیر کی کڑی نظر آئی۔ اُسکو پکڑ کر کھینچا تو وہی پتھر کی مورت
بائین جانب سرکنے لگی اور ایک غار نظر آنے لگا۔ یہان تک کہ اتنا راستہ ہوگیا کہ ایک آدمی
اچھی طرح سے جاسکے۔ غور سے دیکھا تو لکڑی کی سیڑھیان بنی ہوئی ہین بسم اللہ کہکر غار مین
اترنے لگا جیون جیون سیڑھی پر پیر رکھتا مورت بائین جانب سرکتی جاتی یہانتک کہ جب آخری
سیڑھی پر پہونچا تو مورت نے غار کو بالکل پوشیدہ کردیا خیال کر کے سمجھ مین آگیا کہ اگر کوئی شخص پھران سیڑھیون چڑھے تو
مورت داہنی جانب سرکیگی اور غار کا منھ کھل جائیگا چنانچہ آزمایا اور چڑھنے کا ارادہ کیا تو ویسا ہی ہوا اب ظفر حسین
ایک سرنگ مین تھا مگر اسقدر تاریک کہ اندھیرے سے دم گھٹا جاتا تھا۔ فوراً برقی لیمپ نکالکر روشن
کیا تو دیکھا کہ سرنگ قریباً گز کے لانبی ہے آگے بڑھنے کا قصد کیا تو دیکھا کہ پوری سرنگ مین بالو بچھی
ہوئی ہے قدم بڑھاکر رکھا ہی تھا کہ پیر دھنسنے لگے اگر پلٹ کر اپنے کو سیڑھیون کے پاس نہ گرادے
تو زندہ درگور ہوجاتا۔ چارون طرف نظر دوڑائی تو دیوار مین ایک کھونٹی نکلی ہوئی دیکھی اُس کو
دبایا تو بیچ سرنگ مین ایک چھوٹا سا غار پیدا ہوا اور تمام بچھی ہوئی بالو اُس غار مین ہوکر غائب
ہوگئی۔ راستہ صاف ہوگیا۔ غار کو پھاند کر آگے بڑھا سرنگ کے دوسری جانب اُسی طرح ایک
کھونٹی اور نظر آئی جو بالکل پیوستہ تھی۔ اُسکو کھینچا تو منون بالو اُس چھوٹے سے غار سے اُبل کر
تمام سرنگ مین پھیل گئی معلوم ہوا کہ اگر اب ہم اسی کھونٹی کو جسکو کہ کھینچا ہے دبائین تو پھر بالو غار
مین چلی جائے گی۔

ظفر حسین کے سامنے اب ایک آہنی دروازہ تھا جس مین نہ کنجی تھی نہ قفل خیال کیا کہ اس
مین بھی کوئی نہ کوئی بھید ہے۔ غور کیا تو دیکھا کہ دروازہ کے داہنے پٹ پر کڑے کا ایک نشان بنا
ہے اُسی مقام پر ہاتھ رکھکر زور سے دبایا۔ تو پٹ اوپر چڑھ گیا۔ اُس طرف ہوکر بائین پٹ
مین ایک کڑا لٹک رہا تھا اُسکو کھینچا تو وہ چڑھا ہوا پٹ اُتر کر بند ہوگیا۔

اب سامنے ایک چھوٹا سا بنگلہ نظر آیا۔ بنگلہ مین ایک کرسی بچھی ہوئی دیکھی جسکی پشت
مین ایک سوراخ ہے اور اُس مین ایک زنجیر ہوتی ہوئی بنگلہ کی چھت تک پہونچی ہے بیچارہ
تھکا ہوا تو تھا ہی کرسی پر بیٹھ گیا۔ بیٹھنا تھا کہ زمین چلتی اور کرسی نیچے اُترتی معلوم ہوئی۔ اگر
زور سے کرسی کو نہ پکڑ لے تو اوندھے منھ گر پڑے۔ جیون ہی کرسی زمین پر رُکی فوراً اُٹھ کھڑا ہو
اور کرسی پھر اوپر کو چڑھ گئی۔ تھوڑی دیر بعد حواس قائم ہوئے تو اپنے کو ایک چھوٹے سے

خوشنما باغ میں پایا جو انواع و اقسام کے پھلدار درختوں سے بھرا ہوا تھا نارنگیوں ...... کے درختوں میں اس کثرت سے نارنگیاں تھیں کہ درخت میں آگ لگی ہوئی معلوم ہوتی تھی اسی طرح انار کے درختوں میں انار بھی اسی کثرت سے تھے کہ ڈالیاں زمین پر جھکی ہوئی تھیں کیلوں کی گودوں کی گودیں لٹک رہی تھیں۔ انگور کی بیلیں نہایت نفاست سے پھیلی ہوئی تھیں پھولوں کی مہک سے باغ معطر ہو رہا ہے۔

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمین است و ہمین است و ہمین است

صبح سے بیچارے نے سوائے چائے کے کچھ پیا بھی نہ تھا خوب سا سیر ہو کر میوے کھائے صاف شفاف فوارہ کے پانی سے تشنگی دور کی۔ دل و دماغ میں قوت آئی دیکھا کہ وسط باغ میں ایک کمرہ ہے جس کا کہ دروازہ کھلا ہوا گویا اسکو اپنی طرف بلا رہا ہے اندر پہونچا تو دیکھا کہ ایرانی غالیچوں کا فرش ہے ایک طرف مسہری لگی ہوئی ہے جس پر نہایت نفاست سے بستر بچھا ہوا ہے۔

یہ بیچارہ حیران دل میں سوچ رہا ہے کہ ظفر جیسے بدبخت وہ سادھو بھی غائب ہو گیا خدا معلوم زمین کھا گئی یا آسمان اگر باہر نکلتا تو مجھسے ضرور سامنا ہوتا دیکھئے اب یہاں سے چھٹکارہ کب اور کیونکر ملتا ہے انہیں خیالات میں غلطان و پیچان تھا کہ سامنے سے وہ لڑکی شمیمہ ہاتھ میں ایک ربڑ کی گڑیا لیے ہوئے اسکو پیار کرتی ہوئی مسکراتی ہوئی نہایت ہی بے پرواہی سے چلی آ رہی ہے آتے ہی نہایت ادب سے جھککر سلام کیا اور کہنے لگی۔

شمیمہ۔ آپ تشریف لے آئے میں تو منتظر ہی تھی (گڑیا کو پیار کر کے) دیکھیے میں نے اسکو کپڑا گہنا پہنایا ہے۔ اب ہم اسکی شادی کریں گے ماموں جان سے روپیہ لیں گے۔ ناچ ہوگا آپکو بھی بلائیں گے۔ انشاء اللہ آئیے گا ضرور۔

ظفر حسین۔ باوجودیکہ اس لڑکی سے نہایت نفرت کرتا مگر اسوقت اسکے صدمے زدہ کمھلائے چہرہ کو دیکھکر اور باتیں سنکر مسکرا دیا۔

مسکرانا تھا کہ یہ بھی ہنسی اور کہنے لگی کیوں کیا آپ گڑیا اچھی نہیں معلوم ہوتی میں تو ہر وقت اسکے ساتھ کھیلا کرتی ہوں۔ ہاں خوب یاد آیا آپ مسہری پر تشریف رکھیں میں ابھی حاضر ہوتی ہوں گڑیا کو مسہری پر لٹا کر بیٹھی تم لیٹو میں ابھی آتی ہوں۔ ڈرنا نہیں۔

مکو دوڑتی ہو [illegible] تم حسین کو دیا پڑھا تو لکھا تھا۔

مسٹر ظفر [illegible] پروی اگر مین منٹ قبل اس کمرہ مین داخل ہوتے
نور جہان سے ملاقات ہو جاتی [illegible] پہچان سکتے تھے کہ بیوہ ملانے مین محو ہو گئے اور کسی بات
[illegible] تمھارا ہی نقصان ہوا جس کام کے واسطے آئے تھے وہ نہ ہوا۔
[illegible] ہولی) مین تم کو پھر یاد دلاتا ہون کہ میرے پہلو مین ایک شریف
[illegible]ش نکرو میرے خیال کو دیکھو کہ تمھارے تسکین قلب کے لیے
خط لکھوا رکھا۔ پڑھو اور میرے ممنون ہو کر مجکو میری حالت پر چھوڑ
[illegible] اندانہ چاہتے ہو تو صرف اتنا خیال رکھو کہ ہر ہر مقام پر میری قیام گاہین
[illegible]ی قسم کی بنی ہوئی ہین جہان پرندہ پر نہین مار سکتا اگر مین نہ چاہتا تو تم یہان تک ہرگز
پہونچ سکتے۔ راستہ ہی مین کسی مقام پر تمھارا دفن تیار ہو جاتا مگر مین ہرگز کسی کو بیوجہ
آزار دینا پسند نہین کرتا۔ چونکہ مطمئن ہون کہ تم میرا کچھ کر نہین سکتے سوائے اسکے کہ میری آزادی
مین خلل انداز ہو اس لیے تاکید کرتا ہون اور تمھاری بھلائی کے لیے کہتا ہون کہ خاموش ہو کر
بیٹھو۔ تم میرے سامنے ایک طفل مکتب ہو میرا مقابلہ تو درکنار میرے ایک ادنیٰ سے ادنیٰ چیلہ کا
بھی مقابلہ کسی طرح نہین کر سکتے۔ ہاتھیون سے گنے کھانا بہت مشکل ہے۔ اب نور جہان سے
[illegible] تمکو اسوقت تک نہین ملسکتی جب تک کہ تم میرا پیچھا کرنے کا دھیان نہ
چھوڑ دو۔ میرا کام سمجھانا ہے تعجب ہے کہ تم سمجھدار ہو کر حماقت مین گرفتار ہوتے ہو اگر یہ
بات تم کو پسند ہے تو حاضر ہے مگر اسی شرط پر کہ میرا خیال دل سے نکال ڈالو (راقم دلاور)
خط ختم کیا تو تسیم نے دوسرا خط دیا۔ یہ سرخ رنگ کا نہایت خوشنما عطر سے بسا
ہوا خط تھا۔ سواد خط پہچان کر دل سے لگا لیا۔ آنکھون پر رکھا اور پھر پڑھنے لگا
لکھا تھا۔

بھائی ظفر تسلیم۔

دنیا مین اب سکون کہین نام کو نہین
عالم بدل دیا ہے دل بیقرار نے (رشیدہ)

جن لوگون کی مین قید مین ہون مجھپر نہایت مہربان ہین ہر طرح دل بہلانیکی
کوشش کی جاتی ہے لیکن میرا بیمار دل کمزور ہوتا جاتا ہے تمھاری جدائی اباجان کی موت

ہر وقت تڑپاتی ہے اگر کچھ دیر رو لیتی ہوں تو دل کی بھڑاس کم ہو جاتی ہے بس اب اور کیا لکھوں سوائے اسکے کہ خدا تم کو دشمنوں سے محفوظ رکھے۔ خدا حافظ

زندگی تا ختم میعادِ اسیری اور ہے
بس رہائی کی امید اے اہلِ زنداں کر چکے (عزیز)

راقم بدقسمت (نورجہان)

ظفر حسین خط پڑھتا جاتا تھا اور آنکھوں سے مسلسل اشک جاری جب دل سے اشکوں کی صورت میں گرم بخارات نکل گئے تو ایک آہ سرد کی۔

اپنی قسمت کو نہ روؤں چارہ گر کی کیا خطا
اک مرض پیدا ہوا جب دوسرا کچھ کم ہوا (عزیز)

پھر شمیمہ سے دریافت کیا۔ کیوں اے لڑکی نورجہان کہاں ہیں۔

شمیمہ۔ وہ اسی مسہری پر تھیں ابھی تھوڑی دیر ہوئی گئیں ہیں۔ اے ہے کیا آپ نے نہیں دیکھا۔

حسین۔ گئیں کدھر سے اور کہاں گئیں۔

شمیمہ۔ (ہنس کر) لیجیے بھلا میں کیا جانوں (گڑیا کو پیار کر کے) میں اسکے ساتھ ادھر باغ میں کھیل رہی تھی۔ ہار سنگھار کے درخت میں اسکے لیے جھولا ڈالا ہے۔ علاوہ اسکے وہ مجھ سے بہت خفا تھیں میں نے لاکھ لاکھ منایا۔ ہاتھ جوڑے منتیں کی۔ پاؤں پر گری۔ مگر وہ یہی کہیں کہ دور ہو میرے سامنے سے میں نے بہت بہت کہا کہ آپ کے پیر دبا دوں مگر نورجہان نے نہ مانا۔ مجکو بھی ماموں جان نے ڈانٹا کہ چلی جا سامنے سے اُن کو کیوں پریشان کرتی ہے۔

حسین۔ ہم تمکو مٹھائی کھلائیں گے یہ بتا دو کہ نورجہان کہاں گئیں۔

شمیمہ۔ اس گڑیا کے سر کے قسم جو میں کچھ بھی جانتی ہوں۔

حسین۔ تمہارے ماموں کون ہیں۔

شمیمہ۔ بھئی آپ بھی دل لگی کرتے ہیں آپ ہی کے ساتھ تو ریل پر آئے ہیں اتنی سی دیر میں بھول گئے

حسین۔ تمہارے باپ کہاں ہیں۔

شمیمہ۔ لوگ کہتے ہین وہ مر گئے اب نہین آسکتے اچھا اب مین اپنی گڑیا کو باغ کی سیر کراؤنگی آپ جائیے۔

ظفر حسین۔ اب مین نہین جاؤنگا ۔لاڈو نے یہ مکان مجکو دیدیا۔

شمیمہ۔ تو تھوڑی دیر کے لئے تو جانا ہی پڑیگا۔

ظفر حسین۔ اگر نہ جاؤن تو کون نکالے گا۔

شمیمہ۔ ذرا گڑیا کو دکھا کر دیکھیے یہ ۔

ظفر حسین۔ کیا یہ باتین بھی کرتی ہے۔

شمیمہ۔ جی ہان۔

ظفر حسین۔ کسطرح۔

شمیمہ۔ گڑیا کو ہاتھ مین دیکر اس کا پیٹ دبایئے دیکھیے یہ باتین کریگی زور سے دبائیگا نہ ورنہ سکی انتڑیان نکل پڑین۔

لڑکی نے کچھ اس طرح بھولے پن سے کہا کہ ظفر حسین نے گڑیا کو لیکر اسکے پیٹ کو زور سے دبایا نہ تھا کہ گڑیا کا منھ کھلا۔ ہوا کا ایک جھپکا ناک تک پہونچا۔ سر چکرایا لاکھ لاکھ چاہا کہ سنبھلون آنکھین بند ہو گئین۔ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

دم توڑتا ہون کو نچۂ قاتل کے سامنے
شمع حیات بجھی ہے منزل کے سامنے (مصنف)

باب ۸

جب چشم اعتبار سے ہستی پہ کی نظر
مایوس ہو کے ٹوٹ گئے دل حباب کے

دھوکا

ظفر حسین کی آنکھ کھلی تو اپنے کو ایک کھلے ہوئے میدان مین پایا مغموم و پریشان اٹھا خیال آیا کہ اس عجیب و غریب مکان کا کوئی دوسرا راستہ بھی ہے جہان سے یہ لوگ نور جہان کو لیگئے

خدا معلوم بیچاری کس آفت میں ہے۔ میں کیا "طلسمی برج" کی تلاش کروں اور کس طرح اس کی گرفتاری کی فکر کروں۔ دل تو قابو میں نہیں۔ نورجہان نہیں تو دنیا ہیچ ہے جس طرح ہو سکے اُسے رہا کرنے کی فکر کرنا چاہیے کہ دل مضطر کو قرار آئے اور کوئی خاص رائے قائم کر سکوں۔

دل نہیں جب تو کیا جیون میں خاک
میری کشتی کا ناخدا ہی نہیں

نورجہان کو ڈھونڈھوں بھی تو کہاں جا کر۔ دلاور نے خط میں لکھا ہے کہ میری اسی طرح کی بہت سی برج اگر کسی ایسے مقام پر نورجہان کو رکھا ہے تو بھلا میں کس طرح پہونچ سکتا ہوں۔ خیر جو کچھ بھی ہو خدا مدد کریگا مجھے کوشش ضرور کرنا چاہیے۔ یہ سوچتا اسٹیشن پہونچا گاڑی کا وقت دریافت کیا معلوم ہوا دو بجے یہاں سے روانہ ہوتی ہے دس منٹ باقی تھے اسٹیشن پر ٹہلنا شروع کیا۔ تھوڑی دیر میں گاڑی آئی ٹکٹ لیکر گاڑی لکھنؤ پہونچی۔ ظفر حسین سیدھا کوتوالی پہونچا۔
کوتوال صاحب دیکھتے ہی کہنے لگے۔

کوتوال صاحب۔ آپ کہاں تھے میں نے دو مرتبہ آدمی بھیجا مگر معلوم ہوا کہ آپ صبح گھر سے نکل گئے تھے۔

ظفر حسین۔ جی ہاں اسوقت سے ابھی تک گھر نہیں گیا۔

کوتوال صاحب۔ کہیے کوئی جدید خبر۔ کیا الگ الگ سب باتوں کا پتہ لگا لیجیے گا

ظفر حسین۔ بھلا آپ سے کیا پوشیدہ کروں گا۔ بغیر آپ کی مدد کے تو میں کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ پھر اپنا روانہ ہونا۔ سادھو کا پیچھا کرنا۔ کالوری پہونچنا۔ عجیب و غریب مکان کی شمیمہ کی عیاری سب بیان کر دیا۔

کوتوال صاحب۔ واقعی معاملہ پیچ در پیچ ہوتا جاتا ہے یہ کمبخت شمیمہ بڑی چالاک لڑکی ہے۔

ظفر حسین۔ آفت کی پڑیا ہے۔ قہر ہے۔ باتیں ایسی بھولی کہ پیار آ دیے مگر فطرت ڈوبی ہوئی۔

کوتوال صاحب۔ اب آپ کا کیا ارادہ ہے۔

ظفر حسین۔ ابھی مین نے کوئی رائے قائم نہین کی مین بہت تھکا ہوا ہون اسوقت گھر جاتا ہون مگر اب صرف دریافت طلب یہ بات ہے کہ موٹر کدھر گئی۔ یقینی موٹر پر نورجہان کو لے گئے ہین اور یہ بھی معلوم ہے کہ نورجہان کو لکھنؤ مین نہین رکھا۔

کوتوال صاحب۔ مین بھی آپکی رائے کی تائید کرتا ہون اچھا اب آپ گھر تشریف لیجائیے حمام وغیرہ کرکے آئیے تو پھر اطمینان سے گفتگو ہو۔

ظفر حسین تو گھر روانہ ہوگیا کوتوال صاحب اُٹھے کپڑے پہنکر چوک آئے۔ پھول والی گلی مین دیکھا کہ ایک سادھو گلی مین کھڑا ہوا مٹھائی لے رہا ہے۔ غور کیا تو با لکل وہی حلیہ جو ظفر حسین نے بتایا تھا خیال کیا کہ اگر اسکو گرفتار کرلیا تو ایک ہی بدمعاش کم ہوگا۔

تین سپاہی کھڑے تھے اشارہ سے کہا کہ اسکو گرفتار کرلو۔ سپاہیون نے بڑھکر گرفتار کرنا چاہا فورًا فیر کی آواز آئی اور ایک سپاہی گر پڑا۔ وہ فیر کرکے دوسری گلی کیجانب مڑا ہی تھا کہ کوتوال صاحب نے بڑھکر گرفتار کرلیا تلاشی لی گئی جیب مین مختلف قسم کے آلات نکلے اور پرچہ جس پر لکھا تھا۔ دہلی۔ چاندنی چوک۔ لال دروازہ۔

سادھو سے لاکھ لاکھ پوچھا کہ تم دلاور کو جانتے ہو۔ وہ کہان ہے۔ یہ سُنکر سادھو مسکرایا اور سوائے خاموشی کے ایک لفظ بھی نہ کہا۔ جب بہت دریافت کیا تو جواب دیا۔ بیشک مین دلاور کو جانتا ہون اُسکے نام بہلون کو جانتا ہون۔ اُسکی قیام گاہون سے واقف ہون بلکہ ہر راز سے واقف ہون۔

کوتوال صاحب۔ خوش ہوکر۔ شاباش جتنی باتین تم نے بیان کین اگر بتادو تو چھوڑ دیے جاؤگے ورنہ کیا فائدہ کہ ایک خون بھی کرچکے ہو پھانسی دیجائیگی۔

سادھو۔ کوتوال صاحب ہوش کی دوا کیجئے۔ میرا دل ان رازون کا مدفن ہے بھلا کہان دلاور کے راز اور کہان پولیس کے کان۔ آخری سزا جو آپنے میرے لیے تجویز کی ہے وہ پھانسی ہے بھلا ایسی موت کسی کو کہان نصیب اُس مرنے سے لاکھ درجہ بہتر ہے کہ پلنگ پر پڑے پڑے ایڑیان رگڑ رہے ہین۔ دوسرے پریشان خود جان سے عاجز۔ خیران باتون سے کیا غرض آپ کوتوالی لے چلیں۔ شب کو مین سویا بھی نہ تھا وہین چلکر آرام کرونگا کیا اچھی بات ہوگی کہ کوتوالی کھڑی میری حفاظت کریگی۔ بس اتنا خیال رہے کہ شور وغل نہ ہونے پاوے۔ کوتوال صاحب ہم آپکے مہمان ہین۔ دیکھئے آپ ہمارے یہان بھولے سے چلے گئے تھے کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دی

ہوئی۔ ان باتوں کا خیال رکھیے گا۔

کوتوال صاحب کو یہ باتیں سنکر نہایت غصہ آیا چہرہ سرخ ہو گیا چاہتے تھے کہ کچھ سزا دوں۔ مگر پھر خدا معلوم کس خیال نے ہاتھ روک دیا اور خاموش ہو گئے۔

اس بیباک گفتگو نے عجب اثر کیا ایک نے دوسرے سے کہا کیوں نہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو دلاور کی یہ قوت نہ ہوتی جب اُسکے چیلے ایسے ہیں تو خدا معلوم وہ خود کیا آفت ہوگا۔

سادھو نے بھی سنا اور مجمع سے مخاطب کرنے لگا۔ دوستو مجھ ایسے متعدد اُسکے خدمتگار ہیں جن سے وہ کام لینا بھی پسند نہیں کرتا یہ نہ خیال کرنا کہ میری گرفتاری سے اس کے گروہ پر کچھ اثر پڑیگا۔

سادھو کوتوالی لایا گیا چالان ہو کر سنٹرل جیل روانہ کر دیا گیا۔

کوتوال صاحب ان باتوں سے فراغت کرکے ظفر حسین کے یہاں پہونچے تو دیکھا کہ بیچارہ سخت بخار میں مبتلا ہے کوتوال صاحب۔ مسٹر ظفر میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ دلاور کا ایک چیلہ جس کا کہ آپ نے تعاقب کیا تھا گرفتار ہو گیا۔

ظفر حسین۔ کسطرح اور کہاں۔

کوتوال صاحب۔ پھول والی گلی میں کھڑے ہوئے مٹھائی لے رہے تھے۔ اتفاق سے میں بھی نکلا ٹہلتے ٹہلتے ادھر بھی جا پہونچا بدمعاش نے ایک نہ ایک شنکر دیال اُسکی گرفتاری کا تماشا بھی ہو گیا۔

بڑی لفاظی کرتا۔ زبان قینچی کی طرح چلتی تھی۔ تلاشی لی تو کچھ آلات اور ایک پرچہ ملا مگر تحریر سے کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ دیکھیے آپ بھی ملاحظہ فرمالیجے۔

ظفر حسین نے پرچہ لیا پڑھا کچھ دیر غور کرنے کے بعد خوش ہو کر کہا کہ کوتوال صاحب یہ بہت بہت ضروری کاغذ ہے۔ دلاور نے ساد ھو کو چار بلغ اسٹیشن پر دیا اسمیں نور جہاں کی بابت لکھا ہے کہ دہلی۔ چاندنی چوک پہونچا دو۔

مگر افسوس صد افسوس کہ جب وہ گرفتار ہوا تھا موٹر کی جستجو نہ کی گئی اگر میں ہوتا تو اسکے کہ وہ گرفتار ہو موٹر کی تلاش کرتا۔ اب کیا ہو سکتا ہے۔

کوتوال صاحب۔ بیشک ہاں غلطی ہوئی۔ واقعی آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔

ظفر حسین۔ اچھا اب آپ جلد سے جلد دہلی روانہ ہو جائیے۔ مجھ میں طاقت نہیں ورنہ

مین خود ساتھ چلتا۔

اگر میرا بخار کم ہوگیا تو مین بھی آؤنگا آپ روانہ ہوجائیے۔

کوتوال صاحب۔ اچھا مین جاتا ہون وہان کی مقامی پولیس سے مدد لون گا۔

یہ کہکر اُٹھے سیدھے کوتوالی پہونچے۔ چند ضروری احکام جاری کرکے سپرنٹنڈنٹ صاحب کے یہان گئے واقعات کی اطلاع دیکر سیدھے چار باغ اسٹیشن پہونچے۔ پانچ بجے گاڑی روانہ ہوئی ۹ بجے شب کو مرادآباد پہونچے گاڑی بدلی گئی دوسری ٹرین مین جاکر بیٹھے جس ڈبہ مین بیٹھے تھے اُس مین صرف تین مسافر تھے ایک صاحب انگریزی ڈریس پہنے ہاتھ مین ہینڈبیگ لیے کوتوال صاحب کو دیکھتے ہی اپنے پاس جگہ دی کہنے لگے "آپ کہان سے تشریف لارہے ہین" کچھ دیر تو کوتوال صاحب خاموش رہے پھر جواب دیا "مین سنڈیلے سے آرہا ہون آپ کہان سے سوار ہوئے ہین اور کہان جائیے گا۔

وہی شخص۔ مین ڈاکٹر ہون وطن دہلی ہے۔ مرادآباد مین میرے ایک دوست ہین اُن کے سرطان نکلا ہے کل آپریشن کیا آج جارہا ہون آپ کہان جائیے گا۔

کوتوال صاحب۔ مین زمیندار ہون مین بھی دہلی ایک دوست کے یہان جارہا ہون۔

ڈاکٹر صاحب۔ مجکو اخبار کے ذریعہ سے معلوم ہوا کہ آجکل لکھنؤ مین عجب تہلکہ مچا ہوا ہے دلاور پھر زندہ ہوگیا۔ شجاعت حسین مقتول دہلی ہی کے باشندہ ہین۔ مین اُن سے اچھی طرح واقف ہون۔ خدا بخشے نہایت نیک آدمی تھے بلکہ مسٹر ظفر حسین سے بھی اچھی طرح ملاقات ہے۔ آجکل تو بڑے کارنمایان کررہے ہین۔

کوتوال صاحب۔ جناب مین ان اُمور سے بالکل وقفیت نہین رکھتا۔ میرے سر مین درد ہورہا ہے مہربانی فرماکر خاموش رہیئے۔

ڈاکٹر صاحب۔ معاف فرمائیے گا۔ مین نہ واقف تھا ورنہ آپ کو کیون پریشان کرتا۔

گاڑی صبح ۸ بجے دہلی پہونچی۔ کوتوال صاحب اترکر ایک ہوٹل مین پہونچے غسل دور کرنے کے لیے چاء پی ناشتہ کیا۔ جب اچھی طرح ستالیے تو ہوٹل سے باہر نکلے۔ کچھ دور چلے ہونگے کہ دیکھا آگے آگے ڈاکٹر صاحب بھی جارہے ہین۔

کوتوال صاحب۔ (پکارکر جناب ڈاکٹر صاحب)

ڈاکٹر صاحب نے مڑکر دیکھا اور رُک گئے۔

کوتوال صاحب - معاف فرمائیے گا میں نے شاید آپ سے تہذیب کے خلاف گفتگو کی تھی۔
ڈاکٹر صاحب - (خندہ پیشانی سے) تہذیب کے خلاف کیا بات تھی جس وقت سے آپ نے منع کیا میں نے کسی دوسرے شخص سے بھی گفتگو نہ کی صرف اس خیال سے کہ کیا فائدہ کوئی شخص پریشان ہو۔

کوتوال صاحب - آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب - چاندنی چوک۔

کوتوال صاحب - چاندنی چوک میں بھی جا رہا ہوں مگر صرف ایک مرتبہ مجکو اپنے دوست کے یہاں جانے کا اتفاق ہوا ہے مکان بھول گیا ہوں صرف اتنا یاد ہے کہ دروازہ لال ہے۔
ڈاکٹر صاحب - جی ہاں ایک مکان ہے مگر اس میں تو وہ کبھی کبھی آکر مقیم ہوتے ہیں اور اپنے کو کلکتہ کا سوداگر بتاتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ نہایت زندہ دل آدمی ہیں۔ جب آتے ہیں تو ایک جشن رہتا ہے پرسوں میں جب مراد آباد گیا ہوں تو اُن کے یہاں جلسہ تھا اور محلہ والوں کو بھی مدعو کیا تھا۔

کوتوال صاحب ٹپٹائے کہ اب کیا کہوں ڈاکٹر صاحب خود بول اٹھے: "یہ مکان اُنہوں نے ایک شہزادے صاحب سے خریدا ہے۔ مکان کیا قلعہ ہے"۔

کوتوال صاحب - جی ہاں مجکو وہیں جانا ہے۔

ڈاکٹر صاحب - تو پہلے غریب خانہ پر چلیے پھر وہاں جائیے گا۔

کوتوال صاحب نے لاکھ لاکھ انکار کیا۔ مگر نہ مانا پہلے اپنے وہاں لے گئے کمرہ کھولا۔ آدمی کو چاء بنانے کا حکم دیا۔ کوتوال صاحب کہتے ہی رہے کہ میں چاء پی چکا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب چاء کی خوبیاں بزبان فصیح بیان فرمانے لگے مختصر یہ کہ چاء پی کر کوتوال صاحب نے کہا "مہربانی فرما کر اپنے آدمی کو ہمراہ کر دیجیے کہ وہ مجکو مکان بتا آئے"۔

ڈاکٹر صاحب خود ہمراہ ہو گئے مکان جا کر بتا دیا۔ دیکھا تو واقعی دروازہ لال ہے ڈاکٹر صاحب نے اجازت چاہی کہ اچھا اب میں رخصت ہوتا ہوں چلتے وقت مجھسے ضرور ضرور مل لیجیے گا یہ کہکر ڈاکٹر صاحب تو چلے گئے کوتوال صاحب نے ایک محلہ والے سے پوچھا "کیوں بھئی اس مکان میں جو سوداگر صاحب ٹھہرے ہوئے ہیں کیا اُن کے ہمراہ زنانی سواریاں بھی ہیں"۔

وہی شخص۔ یہ تو میں نہیں جانتا مگر ابھی گھنٹہ بھر ہوا کہ یہاں باہر ٹہل رہے تھے۔
کوتوال صاحب۔ قریب کے تھانے پر پہونچے۔ دو سب انسپکٹر اور تین سپاہیوں کو لیکر وہیں آموجود ہوئے۔

حکم دیا کہ جب میں آواز دوں فوراً تم سب چلے آنا باہر سب حکم کے منتظر مسلح کھڑے رہے کوتوال صاحب مکان میں داخل ہوئے دیکھا تو صحن نہایت کشادہ ہے متعدد کمرے اور صحنچیاں ہیں مگر کوئی دکھائی نہیں دیتا۔ چاروں طرف دیکھا مگر کسی کو نہ پایا۔ مجبور ہو کر اپنے ہمراہیوں کو بلایا۔ اُن سب نے بھی مکان میں مع تمام کوٹھریاں تہخانوں کے دیکھ ڈالا مگر کوئی دکھائی نہ دیا۔ صرف ایک دالان میں چند پلنگ بغیر بستر کے تھے اور ایک جگہ خالی پانی کے گھڑے رکھے ہوئے تھے کوتوال صاحب نے خیال کیا کہ شاید بدمعاشوں کو خبر لگ گئی اور وہ بھاگ گئے مجبور ہو کر چلے ڈاکٹر صاحب کے یہاں گئے تو دیکھا کہ مسہری پر لیٹے ہوئے ایک کتاب کا مطالعہ کر رہے ہیں دیکھتے ہی اٹھ بیٹھے۔

ڈاکٹر صاحب۔ کہیے جناب ملاقات ہوئی۔
کوتوال صاحب۔ وہاں تو کوئی معلوم نہیں ہوتا۔
ڈاکٹر صاحب۔ تعجب ہے شاید کہیں چلے گئے ہوں۔ اگر باہر جاتے تو کم از کم مکان مقفل کر جاتے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہیں کہیں گئے ہوئے ہیں۔ تھوڑی دیر کوتوال صاحب بیٹھے رہے پھر یہ خیال کر کے کہ شب دیکھا جاویگا وقت بھی مناسب ہوگا ڈاکٹر صاحب سے اجازت لیکر تھانے روانہ ہو گئے ۲ بجے شب کو پھر مع اپنے ہمراہیوں کے آپہونچے ڈاکٹر صاحب کی طرف سے ہو کر گذرے تو دیکھا وہ اسی طرح کتاب کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ اُسی مکان پر پہونچے اور مع اپنے ساتھیوں کے داخل ہوئے دیکھا ایک آدمی کوٹھری میں چلا گیا۔ سب نے اُس کا تعاقب کیا کوٹھری میں پہونچے تو اُسکا پتہ نہ تھا۔ طاق پر ایک لالٹین روشن رکھی ہوئی تھی ایک کانسٹبل نے اُٹھا کر کونہ کونہ دیکھ ڈالا۔ مگر اُس کے پیر کا نشان بھی نہ پایا۔ اب تو سب کو خوف پیدا ہوا کہ یا الٰہی یہ کیا ماجرا ہے جن تھا۔ یا بھوت سب اسی شش و پنج میں کھڑے تھے کہ ایک جگہ کی زمین پولی دیکھی ٹھوکر لگائی تو مٹی سرک گئی اور ایک لکڑی کا تختہ نظر آیا۔ اُسکو ہٹایا تو ایک کنواں سا نظر آیا جس میں ایک آہنی زنجیر لٹکی ہوئی تھی زنجیر کو لاکھ کھینچا تا کھینچی رہڑ کا ایک گرسا نظر آیا اُسکو کھینچا تو ایک لوہے کا ٹکڑا کنوئیں سے اوپر کی طرف نکلتے ہوئے معلوم

ہوا۔ کوتوال صاحب اُس مین بیٹھکے وہ نیچے اتر گیا۔ دیکھا کہ ایک چھوٹی سی کھڑکی ہے اُسکو کھولا
تو ایک سا پختہ صحنچی ہے۔ اُس صحنچی مین داخل ہوئے اسی طرح سب لوگ صحنچی مین داخل ہوئے
اُس مین ایک دروازہ تھا اُسکو کھولا تو ایک چھوٹا سا مکان نظر آیا جس مین اس قدر
بجلی کی روشنی ہو رہی تھی کہ بالکل دن معلوم ہوتا تھا۔

کوتوال صاحب نے ساتھیون کو ہدایت کی کہ سب لوگ یہین ٹھہرین اور میری آواز پر
چلے آوین یہ کہکر پیچھے پیچھے مکان مین داخل ہوئے اور سامنے والے کمرے کی طرف دیوار کی آڑ
پکڑے ہوئے بڑھے۔ صرف بیچ کا دروازہ کھلا تھا بند دروازہ کی درز سے جھانک کر دیکھا تو
کمرہ نہایت سجا ہوا تھا بجلی کی روشنی ہو رہی تھی ایک طرف دلاور کرسی پر بیٹھا ہوا ہے ہاتھ
مین چا کی پیالی ہے۔ چہرہ پر مسکراہٹ ہے۔ کوتوال صاحب دل مین بہت خوش ہوئے
کہ آج تمام جھگڑا پاک ہو گیا۔ انعام پانے کی خوشی۔ عہدہ بڑھنے کی مسرت فوراً جیب سے پستول
نکالا۔ خوب اچھی طرح جانچ کر فیر کیا۔ گولی عین ماتھے پر پڑی خون جاری ہو گیا فوراً
ایک آدمی برابر والے صحنچی سے نکلا او نعش لیکر چلا گیا۔ کوتوال صاحب فوراً کمرے مین
داخل ہوئے خوشی مین مست ہو رہے تھے۔ دیکھا تو کمرے مین خون ہی خون ہے ایک
طرف چا گری ہوئی ہے پیالی چکنا چور ہو گئی ہے۔ ساتھیون کو آواز دی مگر کوئی نہ آیا۔
اب تو گھبرائے دل دھڑکنے لگا۔ چاہتے تھے خود جاکر دیکھین کہ کمرے مین ایک لڑکی بغل مین بلی
کا بچہ دبائے مسکراتی ہوئی آئی۔

کوتوال صاحب دیکھتے ہی پہچان گئے کہ یہی تبسم ہے جس کا ذکر تحسین نے کیا تھا واقعی
بڑی بھولی صورت ہے کان مین ہیرے کے بندے لٹک رہے ہین یہ بھی نہایت بھولی لڑکی کسقدر
فطرتی ہے۔

تبسم نے پہلے جھک کر نہایت ادب سے سلام کیا۔ پھر کہنے لگی۔

تبسم۔ (بلی کے بچہ کو پیار کرکے) دیکھیے بالکل سچی بچی کا معلوم ہوتا ہے مگر ماموں جان کہتے ہین
کہ یہ ایک سفید مصالحہ کا بنا ہوا ہے اسکے پیٹ مین کلین ہین تالے کے زور سے چلتا ہے یہ
دیکھیے جیب سے ایک کنجی نکالی اور پیچ مین جو پیٹ کی طرف نکلا ہوا تھا لگا کر چند بار گھمایا پھر
نکال لی تو واقعی وہ بلی کا بچہ کمرے مین دوڑنے لگا۔

کوتوال صاحب کو لڑکی کی اس حرکت پر کچھ ہنسی معلوم ہوئی۔ کہنے لگے تم ہم کو جانتی ہو ہم

کیون ہین۔

شمیمہ۔ جی ہان مین جانتی ہون آپ ہمارا بلی کا بچہ چرانے آئے ہین۔ یہ کہکر جلدی سے اُسکو اُٹھا لیا۔ اور پیار کرکے کہنے لگی۔ آپ کو خدا کی قسم یہ چھین کر نہ لے جائیگا ورنہ مین بہت روؤنگی۔ (کمرے مین پھیلے ہوئے خون کی طرف دیکھکر) ہے ہے یہ آپ نے کتنے پان کھائے ہین جس کی اتنی پیک ہے دیکھیے وہ اُگالدان رکھا ہوا تھا آپ کو نہین دکھائی دیا۔ اب ماموں جان خفا ہونگے کہ کون بدتمیز آیا تھا۔

کوتوال صاحب۔ تم کو کچھ خبر بھی ہے اب ہم تم کو اور تمھارے بچے کو پکڑ کر لیجائینگے جسکے بھروسے پر تم ہو اُس کا خاتمہ ہو گیا۔

شمیمہ۔ کس کا خاتمہ ہو گیا۔

کوتوال صاحب۔ دلاور کا خاتمہ ہو گیا یہ اُسی کا خون ہے۔

شمیمہ۔ (تیوری پر بل ڈالکر) واہ چھوٹا منھ بڑی بات۔ توبہ خدا نہ کرے دشمنون کے کان بہرے کس کی مجال ہے کہ انکا بال بیکا کر سکے۔ وہ تو صحیح سالم کتاب دیکھ رہے ہین (کوٹھری کے پردہ کو ہٹاکر) دیکھیے وہ کون آ رہا ہے۔

کوتوال صاحب نے نظر اُٹھا کر دیکھا تو وہی ڈاکٹر صاحب ہاتھ مین کتاب مُنھ مین سگریٹ دبائے چلے آ رہے ہین تن بدن کا خون خشک ہو گیا جیب مین ہاتھ ڈالا کہ پستول نکالین ڈاکٹر صاحب کہنے لگے۔

ڈاکٹر صاحب۔ کیون کیا تلاش کر رہے ہو میز پر سے پستول اُٹھا کر دیکھو یہی ہے نہ؟ ہوش کی دوا کرو جب کرہ مین شمیمہ آئی اسی وقت اس نے تمھارے ہاتھ سے لیکر میز پر پستول رکھدیا۔ مگر تم تو خوشی مین مست ہو رہے تھے۔

کوتوال صاحب نے زور سے اپنے ساتھیون کو آواز دی جسپر وہی ڈاکٹر صاحب ایک قہقہہ مار کر کہنے لگے۔

"بھلی واہ تمھاری آواز مین اسقدر زور تو نہین کہ وہ جمعہ مسجد تک پہنچ جائے۔ وہ سب کے سب وہان ٹیلے پر اوندھے لیٹے ہوئے ہین (مسکراکر) مین سچ کہتا ہون وہ اس طرح پڑے ہوئے ہین گویا مسجد مین پیکریا کرنے جا رہے ہین یا یہ کہ خشکی مین ملاحی کے ہاتھ ٹکا رہے ہین۔ کوتوال صاحب تم بڑے نشانہ باز معلوم ہوتے ہو۔ ارے یہ بھی سمجھ مین نہ آیا کہ ایک تیس

پیر پر روغن کا مجسمہ دلاور کی صورت کا بنا ہوا رکھا ہے جسکے اندر بکری کا خون ہے لبرآستہ
ہی تاک کر نشانہ لگایا اور دلاور کو مار ڈالا جی مین آتا ہے کہ اسی طرح مین بھی ایک نشانہ
لگاؤن ریستول اٹھا کر کیون ٹھیک ہے نہ اچھا ڈر و نہین تم تو کانپ رہے ہو
خیر اب یاد رکھنا جہان دلاور کی صورت کا کوئی آدمی دکھائی دے۔ کچھ بوجھنا نہین
اتنا بھی نہ سمجھے کہ دلاور ایک ڈاکٹر کی صورت مین تمھارے ہی ساتھ سفر کر رہا ہے خوب بر ہم ہوتے
تھے بھلی واہ تم تو اپنے ایک دوست سے ملنے آئے تھے یہان دشمن کا مقابلہ ہو گیا کوتوال
صاحب اگر چاہون تو تمھارا خاتمہ کر دون مگر صرف یہ خیال ہے کہ تم نے کہا تھا مین ایک
دوست کے یہان مہمان جا رہا ہون۔ مہمان کے ساتھ برا سلوک کرنا کس شریعت مین
روا ہے۔ لہذا تمکو چھوڑتا ہون۔

کوتوال صاحب کی غصہ سے عجیب حالت تھی تھر تھر کانپ رہے تھے مگر بے بس
پستول وہ بھی دلاور کے ہاتھ مین۔ جب ضبط نہ ہو سکا تو کہنے لگے۔

کوتوال صاحب۔ بدمعاش آخر کب تک ایسا ہوگا ایک دن ضرور تجھکو ان بدکاریون
کی سزا ملے گی اور جس طرح تیرا ایک ساتھی پکڑا گیا ہے تو بھی گرفتار ہوگا اور . . . .
کوتوال صاحب کچھ کہنا چاہتے تھے کہ دلاور بول اٹھا۔

دلاور۔ این خیال است و محال است و جنون۔ جب تک دلاور کے دم مین دم ہے
کس کی مجال ہے کہ وہ دلاور کے ساتھیون مین سے کسی پر ہاتھ بھی اٹھا سکے ذرا کھڑکی
پردہ کو اٹھا [illegible] سے ملاقات کر لو۔

کیا تو وہی سادھو یا تھ مین کنٹھا لیے مسکراتا ہوا سامنے
[illegible] ہوش اڑ گئے کہ یہ کیا معاملہ ہے اسکو تو مین نے
[illegible] مین گرفتار کیا تھا چالان کر کے جیل بھیج دیا تھا۔ یہ یہان کہان
[illegible] پیچ مین تھے کہ دلاور بول اٹھا۔

کیون اس مین تعجب کس امر کا یہ کوئی ایسی بات تو نہین کہ آنکھین پھاڑ پھاڑ کر
رہے ہو تم نے ناصر کو سنٹرل جیل بھیجا تھا وہان میرا ایک فریڈک نامی چیلا سپرنٹنڈنٹ
جیل کی صورت مین کھڑا تھا وہ اپنے ہمراہ لے آیا اور قبل اسکے کہ تم دہلی پہونچو وہ موٹر پر
یہان پہونچ گیا شکر کرو کہ تم نے ناصر کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہین کی تھی ورنہ وہ بھی تم

اسی طرح اب یہاں پیش آنا اچھا اب میں جاتا ہوں تم نے میرا بڑا وقت ضائع کیا ایک نہایت
عمدہ ضروری کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا بس اتنا یاد رکھو کہ یہ میری دوسری قیام گاہ ہے جس کا
پتہ تمکو معلوم ہو گیا اسی طرح کے متعدد میرے مکان ہیں یہ نہ خیال کرنا کہ والد کا نقصان
ہوا یقینی جانو کہ اسی دہلی میں سات مکان اسی طرح کے میرے قبضے میں ہیں یہ ان سب
میں بدترین ہے اس لیے آج یہ بھی چھوڑتا ہوں میری آسائش کے واسطے دوسری جگہائیں
اس سے بہتر ہیں یہ کہکر پیر وہ اُٹھا یا سادھو اور دروازے سے چلے گئے اور ساتھ ہی فوراً دروازہ
بھی بند ہو گیا۔

اس دوران میں شمیم اسی طرح بلی کے بچہ سے کھیلا کی والد کے جانیکے بعد کوتوال صاحب
جدھر سے آئے تھے جانا چاہتے تھے کہ راستہ بند پایا وہ کھڑکی جس میں ساتھیوں کو ٹھہرایا تھا
پہلے سے اُس کا دروازہ بھی بند۔ بہت حیران کہ اب کیا کرنا چاہیے شمیم نے دیکھا اور کہنے لگی
شمیم۔ آپ پریشان کیوں ہیں۔

پہلے تو کوتوال صاحب نے کچھ جواب نہ دیا پھر سوچے کہ اسی لڑکی سے شاید باہر نکلنے کا
راستہ معلوم ہو جائے اس سے پوچھنے لگے۔

کوتوال صاحب۔ کیا باہر جانے کا کوئی دوسرا راستہ بھی ہے۔

شمیم۔ ابھی کہاں جائیے گا دیکھیے ہماری بلی کے بچے سے کھیلیے ہاں خوب یاد آیا میاں ظفر
سے کہہ دیجیے گا بیوی نورجہان بالکل اچھی ہیں مگر روتی بہت ہیں نہایت لاغر ہو گئی ہیں
اور میری طرف سے بھی سلام عرض کر دیجیے گا۔

کوتوال صاحب۔ نورجہان کہاں ہیں تم جانتی ہو۔

شمیم۔ جی ہاں میں جانتی ہوں اور میری بلی کا بچہ بھی جانتا ہے۔

کوتوال صاحب۔ اچھا بتاؤ کہاں ہیں۔

شمیم۔ یہیں موجود ہیں۔

کوتوال صاحب۔ یہاں کس جگہ۔

شمیم۔ بلی کے بچے سے پوچھیے یہ راستہ بتا دیگا جدھر جدھر جائے چلے جائیگا۔

کوتوال صاحب۔ یہ راستہ کس طرح بتا دیگا۔

لڑکی نے بلی کے بچہ کا سر پکڑ کر دبایا تو منہ کھل گیا مگر نہایت اطمینان سے کوتوال صاحب

کی ہنڈلی اسکے منھ مین دیدی) کوتوال صاحب بھی یہ حرکت خاموشی سے دیکھتے رہے - مگر دانت اسقدر تیز تھے کہ گوشت مین پیوست ہونے لگے -

لڑکی اچھلنے لگی کہ "کاٹ زور سے کاٹ" کوتوال صاحب کو غصہ آیا دوسرے پیر سے ٹھوکر ماری ایک آواز آئی پیٹ پھٹا دھوان پھیلا - لڑکی تو آواز ہوتے ہی بھاگ گئی تھی دھوان کوتوال صاحب کی ناک مین پہونچا - کلوروفارم کا اثر کیا - چپ چاپ کرسے پہ لمبے دراز ہو گئے -

مگر ٹُٹ کے نکلا ہے مری آہِ پریشان کا دھوان
آج زلفون مین وہ آرائشِ خم دیکھتے ہین (عزیز)

باب ۹

یون ہی اُس کو بھی کے پھیرے ہین مری تقدیر مین
جس طرح گردش قلم کو رہتی ہے تحریر مین (ذکی)

رہائی

گذشتہ واقعات کو ڈیڑھ ماہ گذر چکے ہین - چونکہ ہمارے ناول کا ہیرو (ظفر حسین) بستر بیماری پر پڑا [illegible] ان نہایت بے چینی سے گذار رہا تھا اور کوتوال صاحب [illegible] سعی کرتے رہے مگر کوئی تازہ واقعہ قابل ذکر پیش نہ [illegible] خدا خدا کرکے بیچارہ گردون کی توجہ اور کسی کے جذب [illegible] چہرہ پر قدرے لہو کی سُرخی دوڑنے لگی - ہاتھ پیر ولا [illegible] نور جہان کی خیالی تصویر نے کہا "اٹھ برائے خدا مجھے ان ظالمون کے پنجہ سے جلد چھڑا" اک آہ سرد کھینچی - ضروریات کی چیزین پوشیدہ طور پر جیبون مین رکھیں اور ایک سادھو کا بھیس بدلکر روانہ ہوا -

ڈوبتے ہوئے آفتاب کی زرد زرد شعاعین عالیشان مکانون کی بلند دیوار دیر سنہری چادر بچھا رہی تھین کہ ہمارا نوجوان سادھو جرگے مین دکھائی دیا ہائے حسن بھی

کیا چیز ہے۔ پھٹے ہوئے گیروے لباس پر بھی لوگون کی نظرین اسکی جانب پڑی جاتی ہین۔ شعر

تکلف سے بری ہے حسن ذاتی،
قبائے گل مین گل بوٹہ کہان ہے

یہ بے پروائی سے اکبری دروازہ کی طرف جا رہا تھا کہ ایک چودہ پندرہ برس کی لڑکی سیاہ برقعہ اوڑھے ہرن کی ہمرتے سے نکلی ساتھ ہی ایک مخمور آدمی بھی اُس کے پیچھے کہتا ہوا بڑھا۔

ادھر بھی دیکھ لے او جانیوالے ترچھی نظرون سے
بہت شہرت سنی ہے ہم نے ظالم تیرے پیکان کی (ظفر)

مگر لڑکی نے کوئی جواب نہ دیا۔ سادھو صاحب کو کچھ شبہ ہوا اور اُس کا تعقب کیا۔ وہ مخمور شخص بھی ساتھ ساتھ چیختا ہوا چلا جاتا ہے۔ اکبری دروازہ کے قریب پہونچکر اُس لڑکی نے چارون طرف دیکھا اور جلدی سے بائین ہاتھ کی طرف گلی مین روانہ ہوئی ہمارے سادھو صاحب تو دس بارہ قدم پیچھے تھے مگر وہ حضرت (مخمور) فوراً دوڑ پڑے چند قدم بڑھکر وہ لڑکی رُکی اور پوچھا "تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو۔"

مخمور۔ بس میری دلی تمنا یہ ہے کہ تم اک نظر اپنی صورت مجھے دکھا دو۔

برقعہ پوش لڑکی۔ تم کو معلوم ہے کہ مین کون ہون۔

مخمور۔ تمھارے نام اور سکونت سے تو [illegible] قیاسا کہتا ہون کہ ضرور کسی گرہ کی رہنے والی ہو۔

لڑکی نے اس کا کوئی جواب نہ [illegible] اور بڑھا دیا تھا نہایت بے پروائی سے بڑھ رہی [illegible] تھی بار بار چھڑانے کی کوشش کرتی مگر کامیاب نہ ہوئی آخر اُس نے [illegible] اگر اپنی جان عزیز ہے تو مجھے چھوڑ دو"

مخمور۔ ایک قہقہہ لگا کر کلائی تو چھڑا نہ سکین جان سے کیونکر مارو گی۔ یہ کہکر اپنی طرف کھینچا نقاب اُلٹنا چاہی کہ سر پر ایک ڈنڈا پڑا ارے مار ڈالا کی صدا آئی اور چکرا کر ڈھیر ہوگئے لڑکی نے پلٹکر دیکھا تو ہمارے سادھو صاحب مسکرا رہے ہین۔ ایک معنے خیز نگاہ ڈالی

کچھ دیر خاموش رہکر کہنے لگی۔

برقعہ پوش لڑکی۔ میرے محسن آپ نے ایسے وقت مدد کی ہے کہ میں امداد کے واسطے ایک خاص سبب سے چیخ بھی نہ سکتی تھی۔ کیا آپ مطلع فرمائیں گے کہ میں کس نام سے اپنے احسان کرنے والے کا شکریہ ادا کروں۔

ظفر حسین۔ سادھو کا نام اور پتہ ہی کیا لیکن میں نہایت ممنون ہوں گا اگر تم اپنا واقعہ بیان کر دو۔

لڑکی نے یہ سنکر پھر گردن اونچی کی غور سے دیکھا اور کہنے لگی۔

چھپائے سے چھپیگا خون عاشق کسطرح قاتل
گواہی حشر میں دیگا لہو دست حنائی کا

خیر مجھے آپ کے حالات پوچھنے کا کوئی حق نہیں اور میرا واقعہ بھی آپکا چشم دید ہے افسوس کہ زیادہ ٹھہر نہیں سکتی۔ معاف فرمائیے گا۔ مجھے امید قوی ہے کہ بہت جلد آپ سے ملاقات ہوگی یہ کہکر پھر اکبری دروازہ کی طرف روانہ ہوئی۔

ہمارے سادھو صاحب اُس مجروح بے ہوش آدمی کے پاس سے علیحدہ ہوکر سڑک پر آئے اور غور و فکر میں غوطہ لگانے لگے کہ یہ لڑکی کون ہے۔ افسوس صورت نہ دیکھ سکا۔ بہر حال دلا سے اُسے تعلق ضرور ہے معاذ اللہ یہ لوگ کس قدر قیافہ شناس ہیں میری صورت غور سے دیکھکر شعر پڑھنا صاف بتلاتا ہے کہ مجھے پہچان لیا۔ آپ کے حالات دریافت کرنے کا مجھے کوئی حق نہیں ہے صاف کہے دیتا ہے کہ تعاقب سے آگاہی تھی۔ اچھا تو مجھے اب اُسکے پیچھے جانا چاہیے یا نہیں؟ اسکے بعد آنکھیں بند کیں اور تھوڑی دیر غور کرکے اکبری دروازہ کی طرف یہ بھی روانہ ہوا۔

اب وہ وقت ہے کہ آفتاب نے گوشۂ مغرب میں مُنہ چھپا لیا ہے اور تاریکی نے تمام دنیا کو سیاہ برقعہ اوڑھا دیا ہے۔ ہمارا ہیرو ہر چیز کو بہ نظر غور دیکھتا ہوا چلا جا رہا ہے غلام حسین کو پل سے کرنے کے بعد اُس لڑکی نے چاروں طرف دیکھا اور رستم نگر کی طرف روانہ ہوئی یہاں تک کہ قریب درگاہ ایک عالیشان مکان میں چلی گئی تاریکی بڑھ جانے سے ہمارے سادھو صاحب حیران رہ گئے۔ یکایک کچھ خیال آیا اور اُس مکان و باغ کے سامنے والی مسجد کے در پر بیٹھکر گیروا لباس اُتارا اندر کے خالی کوٹ اور برجس کو باقاعدہ سنبھالا کمر سے خنجر نکالا اور

اندر قدم رکھتے پر سیڑھیاں دکھائی دیں۔ پہلی ہی سیڑھی پر قدم رکھا تھا کہ دیوار برابر ہو گئی
سیڑھیاں طے کرنے کے بعد زمین ہموار پڑا۔ ایک تیرہ و تار کیا سرنگ ملی۔ کچھ دیر ٹھہر کر بیٹری
لیمپ روشن کیا۔ معلوم ہوا وہ سرنگ بھی گھومتی ہوئی نیچے اتری ہے۔ چند منٹ بعد وہ راستہ
طے ہو گیا اور ایک آہنی دروازہ ملا جس میں بہت بڑا پیتل کا قفل پڑا تھا۔ اور کثرت
مکڑی کے جالے لگے ہوئے تھے جس سے ثابت ہوتا تھا کہ برسوں سے دروازہ کھولا نہیں
گیا۔ کچھ غور و فکر کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکلا کہ اس دروازہ سے راستہ نہیں ہے محض دھوکا
دینے کی غرض سے یہ قفل ڈالا گیا ہے یہ خیال کر کے دیوار کو دیکھنا شروع کیا مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا
لیمپ کی روشنی سے پھر بغور دیکھا تو چوکھٹ کے قریب ایک کڑا لگا ہوا معلوم ہوا۔ زور سے
گھسیٹنے پر ایک آواز پیدا ہوئی اور چوکھٹ علیحدہ ہو کر ایک گڑھا نمودار ہوا۔ داخل ہونے
پر ایک چھوٹی سی پختہ سرنگ ملی۔ چند ہی قدم آگے بڑھا تھا کہ سرسراہٹ معلوم ہوئی
نیچے دیکھا تو تین سانپ بڑھتے ہوئے چلے آ رہے ہیں۔ غور سے دیکھا تو یہ بھی معلوم ہوا کہ
اس مقام کی چھت۔ دیواریں زمین وغیرہ سب پر [illegible] جڑے ہیں۔ سانپ
دیکھکر قدم رک گئے۔ ادھر وہ سانپ بھی ٹھہر گئے۔ پھر قدم بڑھایا تو سانپ بھی بڑھے۔ انتہا
سخت حیرت ہوئی۔ قدرے تفکر کے بعد پیچھے ہٹا سانپ بھی واپس ہوئے۔ اس وقت دو
خیال پیدا ہوئے یہ سانپ مصنوعی ہیں یا اصلی دلاور کے نزدیک ان موذی جانوروں کو
تعلیم دینا مشکل امر نہیں۔ لیکن ہر ہر قدم کی نقل و حرکت پر سانپوں کا بڑھنا اور سرکنا کہ
ان لکڑیوں کی زمین میں کمانیاں لگی ہیں۔ جن پر دباؤ پڑنے سے سانپوں کو بھی حرکت ہوتی
ہے۔ دل مضبوط کر کے قدم آگے بڑھا حسب عادت سانپ بھی آگے بڑھے۔

قریب ہو کر خنجر کھینچ مارا ایک سانپ پر پڑا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ اب پورے طور سے یقین
ہو گیا کہ مصنوعی ہیں۔ کچھ دور آگے بڑھ کر دیکھا تو وہ سانپ غائب ہو گئے قریب پانچ سو گز
چلنے کے بعد ایک خوشنما دروازہ ملا پٹ کھول کر داخل ہوئے تو ایک کمرہ تھا جو معمولی ساز و
سامان سے آراستہ تھا۔ اس کمرہ کے بعد ایک دوسرا کمرہ ملا جو نہایت سجا ہوا تھا اندھیرے
کے بعد یہاں کی نہایت تیز بجلی روشنی نے آنکھوں میں چکاچوند پیدا کر دی۔ کچھ دیر حواس
درست کرنے کے بعد چلنے کا قصد ہی کیا تھا کہ دروازہ کھلا اور شمیم ایک آفتاب ہاتھ میں لئے
نمودار ہوئی۔ صورت دیکھتے ہی عجیب حالت ہو گئی۔ تمام اعصاب پر پانی پھر گیا۔ شمیم نے

نہایت مجبور ہیں۔ یہ سنکر اکبر کہا اتنی رات گئے آپ کہاں خیر خدا نے مدد کی آج سبق یاد نہیں ہوا تھا مولوی جان بہت مارتے۔ ذرا میرا سبق یاد کرا دیجئے"۔

یہ کہکر وہ کتاب ظفر حسین کے پاس آئی۔

ظفر حسین۔ تم میرے قریب نہ آؤ بیٹھیں جو کچھ کہنا ہے وہیں سے کہو۔

شمیم۔ ذرا آپ میرا سبق سنیں گے۔ یہاں کے تمام آدمی مٹھائی دے دے کر سبق سنتے ہیں میں جانتی ہوں کہ اس وقت آپ مٹھائی نہیں لا سکتے۔ مگر سبق تو سن لیجئے مٹھائی پھر کبھی دے دیجئے گا۔

ظفر حسین۔ نہ میں سبق سنوں گا نہ میں کتاب میں ہاتھ لگاؤں گا۔

شمیم۔ اچھا کتاب میں ہاتھ نہ لگائیے میں خود کھولکر پڑھتی ہوں آپ آرام کرسی پر بیٹھکر صرف سنتے جائیے۔ جہاں غلط پڑھوں بتا دیجئیگا۔

مگر مٹھائی صبح کو دینا پڑے گی میں اوروں کی طرح ایسی ضد نہیں کرتی کہ برسات کر دیا کرنے میں تکلیف ہو۔

ظفر حسین۔ اچھا میں تمہارا سبق یاد کرا دوں گا مگر پہلے سچ سچ بتا دو کہ یہ جہاں کس مقام پر مقید ہیں۔

شمیم۔ مقید کیسی وہ اسی مکان میں نہایت آرام سے ہیں۔

ظفر حسین۔ مجھے تمہارے کہنے کا یقین نہیں۔ اگر ٹھیک کہتی ہو تو ان کے ہاتھ کی تحریر لا دو۔

شمیم۔ خط میں ابھی لا دوں گی مگر سبق یاد کرا دیجئے گا۔

یہ کہکر کتاب چھوڑ دی تو ظفر حسین نے کہا کہ "پہلے خط لکھوا لاؤ" اس نے جیب سے ایک سرخ لفافہ نکالکر پیش کیا۔ پھر کہا اچھا اس لفافہ کو ہاتھ نہ لگاؤ کہا اسے چاک کر ڈالو اور تحریر دکھلاؤ تو پھر پڑھوں گا"۔

شمیم۔ یہ سچ ہے اس میں کونسی نجاست ہے سنتی ہوں کہ خشک چیزیں پاک ہوتی ہیں اچھا اگر لفافہ نجس ہے تو اندر کا کاغذ ہی لیکر پڑھ لیجئے۔ یہ کہکر لفافہ چاک کیا اور کاغذ پڑھایا۔

ظفر حسین۔ (پیچھے) ہٹا کر اسے اچھی طرح جھاڑ ڈالو۔

شمیم۔ اللہ ری احتیاط ہمارے مولوی صاحب بھی تجسس ڈاک کا اتنا خیال نہیں کرتے
بھلا اسکے اندر نجاست کس طرح پہونچے گی۔ کاغذ لفافہ میں۔ لفافہ میری جیب میں۔ آپ کو
خواہ مخواہ شک ہو تو میں کاغذ بھی صاف کیے دیتی ہوں۔ یہ کاغذ رومال سے صاف کرکے
اس کے سامنے پیش کیا۔ ظفر حسین نے سانس روک کر پڑھا تو واقعی نورجہان کی تحریر تھی
مختصر الفاظ میں لکھا تھا۔

میں نہایت آرام سے ہوں مگر آزادی کی دعا کرتے کرتے منھ خشک ہوا جاتا ہے
فقط۔ (نورجہان)

ظفر حسین۔ کیا تم جواب بھی نورجہان تک پہونچا دوگی۔
شمیم۔ آپ میرے مہمان ہیں میں ہر طرح سے راضی ہوں۔ چند منٹ توقف فرمائیے
میں کاغذ۔ قلم دوات لیکر ابھی حاضر ہوتی ہوں۔

یہ کہکر چلی گئی۔ کمرہ میں تنہائی پاکر اسنے غور کرنا شروع کیا میرے آنے کی خبر دلاور کو ہو گئی
ہے۔ رہائی کی کیا سبیل کرنا چاہیے۔ اگر میں قید ہو گیا تو نورجہان کس طرح آزاد ہو گی
بہتر ہے جب تک شمیم واپس آئے میں یہاں سے نکل جاؤں۔ مگر نورجہان کو یہ لوگ
یہاں سے کہیں اور لیجا رہیں گے۔ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن۔ سلسلۂ خیالات یہیں
تک پہونچا تھا کہ شمیم خط لکھنے کا سامان لیکر آ گئی۔ بر سر فرزند آدم ہرچہ آید بگذرد والا
معاملہ خیال کرکے خط لکھنے بیٹھ گیا۔

شمیم۔ رات زیادہ آ گئی ہے سبق اسوقت یاد نہ ہو گا۔ آپکا خط پہونچا کر سو رہوں گی جبتک
آپ لکھیے ...... میں کتاب سے کر آؤں۔ یہ کہکر چلی گئی۔ ظفر حسین نے میز کے قریب کرسی
گھسیٹ کر قلم ہاتھ میں لیکر دوات کا ڈھکنا کھولا ایک تیز بو ناک میں آئی۔ سر چکرایا۔ ہاتھ پیر
سنسنائے اٹھنے کا قصد کیا کہ زمین پر گر پڑا۔ نہ معلوم کتنی دیر اسی حالت میں رہا۔ آنکھ کھلی
تو اپنے کو ایک پلنگ پر لیٹے ہوئے پایا۔

صبح ہو چکی ہے۔ روشندانوں کے ذریعہ سے آفتاب کی شعاعیں آ آکر کمرہ کو منور کر
رہی ہیں۔ سر تکیہ سے اٹھا کر چاروں طرف دیکھا۔

خیالات مجتمع کیے دماغ پر بہت زور ڈالا مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کہاں لیٹا ہے۔ اٹھکر
ٹہلنا شروع کیا۔ کیسے یہاں پہونچا کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ آپ ہی آپ کہنا شروع کیا۔ مگر

باہر نکلنے کا کوئی دوسرا راستہ نہ پایا۔ آپ ہی آپ کہنا شروع کیا۔ عجیب مقام ہے دروازہ دکھائی نہیں دیتا۔ روشن دان میں سلاخیں لگی ہیں۔ دیواروں پر استرکاری ہو چکی ہے۔ زمین سنگ مرمر کی ہے۔ میں یہاں کس طرح لایا گیا۔ پریشانی خیالات یہاں تک بڑھی کہ پھر پلنگ پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔ چند منٹ گذرے تھے کہ آہٹ محسوس ہوئی آنکھ کھول کر دیکھا تو شمیمہ ہاتھ میں چاء کی پیالی لیے کھڑی ہے۔

شمیمہ۔ یہ آپ بڑے دن چڑھے تک سوتے ہیں میں کئی مرتبہ آئی مگر آپ کو سوتا ہوا پایا۔ دس بج چکے ہیں۔ گیارہ کا عمل ہے۔ میں کئی مرتبہ اس غرض سے آئی تھی کہ خط لیکر نورجہاں بیگم کو دے آؤں۔ تو سبق سناؤں۔ آپ اٹھکر چاء نوش فرمایئے۔

ظفر حسین نے خیال کیا کہ قید تو ہو ہی چکی ہوں۔ یہ لوگ جان سے مارنا نہیں چاہتے ورنہ اب تک خاتمہ ہو گیا ہوتا۔ چاء پینے میں کیا حرج ہے۔ پلنگ پر بیٹھ کر شمیمہ سے کہا "پہلے تھوڑا پانی منھ دھونے کو لادو"۔

سامنے والے چوبی اوٹ کی آڑ میں چوکی پر منھ دھونے کا سامان رکھا ہے آپ حکم ہو تو میں حاضر کروں۔ بغیر کچھ کہے جاکر منھ دھویا واپس آکر چاء پی حواس درست ہوئے تو شمیمہ کی کسل رفع ہوئی۔ اس عرصہ میں شمیمہ نے کتاب اٹھائی چند قدم کے فاصلہ پر بیٹھ گئی متوجہ ہو کے کتاب کھولی صفحات پر نظر پڑنا تھی کہ چہرہ متغیر ہو گیا۔ گویا دولت کونین ہاتھ سے جاتی رہی ہائے یہ وہی کتاب ہے جس نے کئی آدمیوں کی جان لی افسوس شاید اسی کمرے میں رکھی رہی مگر مجھکو پتہ نہ چلا۔ اس واقعہ نے کچھ ایسا برافروختہ کیا کہ اٹھکر دیوانہ وار شمیمہ کی طرف دوڑا شمیمہ چیختی ہوئی بھاگی۔

شمیمہ۔ اچھا اچھا آپ غصہ نہ فرمایئے میں سبق نہ سناؤں گی کتاب رکھکے آتی ہوں۔ لکڑی کے اوٹ تک تو سامنا رہا۔ اس طرف جاکر دیکھا تو بجائے شمیمہ کے دلاور بیٹھا ہوا منھ دھو رہا ہے۔

سامنا ہوتے ہی کہا آؤ مسٹر ظفر بیچون پر اتنا غصہ نہ کیا کرو ضدا معلوم کیا کیا شرارتیں کرتے ہیں۔ میں نے اسے ڈانٹ دیا ہے آئندہ وہ کتاب نہ لائے گی کہ تمہارا وقت ضائع ہو۔ چلیے دوسرے کمرے میں کھانا چنا ہوا ہے۔ رات سے تم نے کچھ نہیں کھایا۔ میں بھی بھوکا ہوں کھانا کھا کر پھر اطمینان سے باتیں ہوں گی۔ یہ کہکر ہاتھ پکڑا۔ پردہ کو جھٹکا دیا۔ ایک دروازہ دکھائی دیا۔ داخل

ہونے پر زمین دوز سیڑھیان ملین۔ سیڑھیون سے اترے تو ایک کرہ کا دروازہ دکھائی دیا سامنے کرسی پر شمیم بیٹھی ہوئی ہے۔ میز پر کھانا چنا ہوا تھا۔

شمیم کو دیکھکر دلاور نے کہا۔

دلاور۔ جب ظفر حسین تمھارا سبق سُنا ہی چاہتے تو وہان کتاب لیکر کیون گئین۔

شمیم۔ مین نے وعدہ کیا تھا کہ سبق سُناؤن گی اس لیے چلی گئی۔

دلاور۔ وعدہ تو رات کو کیا تھا اسوقت کیون گئین۔ اچھا مجھے سبق سُناؤ۔

شمیم۔ (کتاب کھولکر) الف سے انڈا۔ (ب) سے بکری (ت) سے تتلی۔

دلاور۔ یہ تو پچھلا سبق ہے۔ کل (خ) تک سُن چکا تھا اب (د) سے پڑھو۔

شمیم۔ (د) سے دلاور۔ (ذ) سے ظفر۔ (ر) سے رنجیت سنگہ۔

دلاور۔ ارے یہ کیا بکواس لگائی ہے۔

شمیم۔ مجھے تو کل ماموں جان نے یہی پڑھایا تھا اور کتاب پر تصویرین بھی بنادی ہین۔ یہ کہکر کتاب دلاور کے ہاتھ مین دیدی واقعی دلاور اور ظفر حسین کی تصویرین بنی ہوئی تھین۔

دلاور نے ڈانٹ کر کہا جا ناصر کو فوراً یہان بھیجدے۔

شمیم چلی گئی اور یہ دونون کھانے مین مشغول ہوگئے۔ بعد فراغت ہاتھ دھو رہے تھے کہ ناصر نے آکر سلام کیا۔ یہ وہی گیروا لباس۔ ہاتھ مین۔ دست پنا۔ پیرون مین کھڑاؤن جوگی بنے ہوئے تھے۔

دلاور۔ کل شمیم کو تم نے کیا پڑھایا تھا ظفر کا املا (ظ) سے ہے (ذ) سے۔

ناصر۔ میرے خیال مین تو دونون حرفون کی آواز یکسان ہے۔

دلاور۔ یہ آواز سے کیا ہوتا ہے انڈے کے قبل چونکہ الف ہے لہذا الف سے انڈا۔ ظفر کا پہلا حرف (ظ) ہے اس لیے ظفر کہہ سکتے ہو (ذ) سے بالکل غلط ہے۔

ناصر۔ مطلب ان الفاظ معین کرنے سے یہ ہے کہ بچون کو حروف یاد ہوجاوین سہا املا اسکے سکھانے کی شمیم کو ابھی ضرورت نہین جس طرح واضع نے (ظ) سے ظفر کا املا معین کرکے وس کے معنے۔ فتح۔ کے بتلائے ہین اگر اسی طرح (ذ) سے (ذفر) ایجاد کرکے اسکے معنے ایک نوجوان ناتجربہ کار ضدی کے معین کردون تو آپ کا کیا حرج ہے اس سے شمیم کو بھی سبق یاد

ہو جائے گا اور مسٹر ظفر کے لیے بھی ایک نصیحت ہے۔
یہ سنکر ظفر حسین کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا بگڑتے ہوئے تیور دیکھکر ادھر تو کمرہ سے چلا گیا
دلاور نے ظفر حسین کو دوسرے کمرے میں نکال دیا۔ اور ٹہلنے لگا۔
مسٹر ظفر اس میں شک نہیں کہ تم ذہین ہو شجاعت اور ہمت تم میں کوٹ کوٹ کر بھری
ہے۔ مگر خیال تو کرو ابھی تک تم میرا کیا کر سکے۔ جو کچھ تمھارا ارادہ ہوا اس سے مجکو آگاہی ہو گئی میرے
اختیار میں تھا جیسا چاہتا تمھارا خاتمہ کر دیتا۔ جس عقل سے تم میرے خلاف کام کر رہے ہو اسی سے
سوچو کہ تم میرا مقابلہ کر سکتے ہو کہ نہیں۔ میرا کہنا مانو مقابلہ سے باز آؤ مع نورجہان اس وقت جا سکتے
ہو۔
ظفر حسین۔ جب یہ تسلیم کر لیا گیا کہ میں ناتجربہ کار۔ مگر ضدی ہوں تو بار بار اس کے کہنے سے
کیا فائدہ۔
دلاور۔ اچھا میں کل تک کی تم کو مہلت دیتا ہوں کل جواب دینا۔ مگر یہ خیال کر لو کہ وہ جواب تمھارا
آخری فیصلہ ہوگا۔
یہ کہکر دلاور کمرے کے باہر گیا۔ دروازہ بند ہو گیا۔ ظفر حسین کی دلی الجھن نے عقل گم کر دی
اٹھکر کمرہ میں ٹہلنا شروع کیا۔ رہائی کی تدبیریں سوچتے سوچتے تمام دن گذر گیا۔ شام ہو گئی مگر کوئی
بات سمجھ میں نہ آئی۔ ...... یہاں تک کہ پھر کھانے کے واسطے طلبی ہوئی۔ بعد فراغت دلاور نے
کہا "میں معافی مانگتا ہوں کہ تم کو کمرے میں تنہا سونا پڑے گا میں ایک خاص ضرورت سے شب بھر
کے لیے جا رہا ہوں" یہ کہکر چلدیا۔ تنہائی پاکر پریشان خیالی نے اس کی نیند کھو دی۔ یہاں تک کہ
شب کے دو بج گئے۔ آنکھیں بند کر کے لیٹا ہی تھا کہ روشندان کی طرف سے ایک آواز آئی
"آہ خدا معلوم کب تک جدائی کے صدمات برداشت کرنا پڑیں گے۔ اب دیکھیے کمبخت دلاور یہاں
سے کس جگہ لیجا کر رکھتا ہے۔" اس آواز نے کچھ ایسا اثر کیا فوراً اٹھا روشندان کے قریب میز بیٹھے
کر کھڑکی چڑھکر دیکھا تو نورجہان پلنگ پر بیٹھی ہوئی رو رو کر کہہ رہی ہے۔ (غزل)

مسیحا اب خبر لے حالت بیمار ابتر ہے — پھریں ہیں پتلیاں ساقط ہیں نبضیں دم لبوں پر ہے
نفس کی آمد شد بند ہوتی ہے کوئی دم میں — عرق آلودہ پیشانی ہے ٹھنڈا جسم لاغر ہے
ہے عالم نزع کا ٹھہری ہیں نبضیں رنگ پہ زردی ہے — ہجوم بیکسی و یاس و حرمان گرد بستر ہے
بہا کر اشک حسرت شمع بالیں تو ہوئی رخصت — کشاکش میں ترا بیمار غم بالائے بستر ہے

وہ حالت ہو گئی ہے اب کہ شبنم بھی اشک فشان — کھلی ہے آنکھ حیرت مین ہر اک انجم منور ہے
بھڑکتے ہین جگر کے داغ عکسِ ماہِ کامل سے — ہے چنگاری دلِ سوزان کو ہر تابندہ اختر ہے
فلک پر کہکشان یا قبر پر چادر ہے پھولون کی — سحر پر شمع ہے یا آسمان پر ماہِ انور ہے
چراغِ زندگی گل ہو رہا ہے صبح ہوتی ہے — ارے او پردہ پوش اتنی خبر لے جان لبون پر ہے

آخری شعر سنکر تابِ ضبط باقی نہ رہی دیوانہ وار روشن دان کی سلاخون کو توڑنے کی غرض سے دھکا دیا تو ایک آواز آئی اور قریب ہیز ایک کھڑکی پیدا ہوئی۔ بیتابانہ دوڑکر نور جہان کے قریب یہ کہتا ہوا پہونچا "نہ گھبراؤ مین آگیا اب اپنے کو آزاد سمجھو"۔

نور جہان۔ یا الٰہی یہ خواب ہے یا مین بیدار ہون۔

ظفر حسین۔ (جلدی سے) نہین نہین خواب نہین ہے۔ تمھاری بگڑی ہوئی حالت دیکھکر میرے حواس درست نہین ہین۔

نور جہان۔ مین بالکل اچھی ہون محض تنہائی کی تکلیف تھی۔ یہ کہکر اُٹھ بیٹھی۔

ظفر حسین نے مطمئن ہوکر کمرے کی ایک ایک چیز دیکھی دروازے کھولنے کی کوشش کی مگر وہ باہر سے بند تھے۔ مایوس ہوکر اپنے کمرے کی طرف پلٹا تو کھڑکی کے قریب ایک پرچہ ملا لکھا تھا "پلنگ کے نیچے سنسی رکھی ہے۔ سنسی سے کیل سیدھی کرکے دروازہ کھول لو محض ایک گھنٹہ کی مہلت ہے۔ ورنہ دیر تماشا ہوگا"۔

ظفر تقریر پہلے سے مشابہ تھی نہایت خوش ہوا۔ فوراً تحریر پر عمل کیا دروازہ کھول کر باہر آکر دیکھا تو وہی کمرہ تھا جس مین وہ لڑکی گئی تھی جلدی سے پیچھے پیچھے پہونچا کیا دیکھتا ہے کہ نور جہان اُس درخت کے ذریعہ نیچے اُترا اور اپنے گھر کا راستہ لیا۔ شعر

فلک تھرا گیا ہلچل پڑی سارے زمانے مین
یہ کیسی آہ کی آج اے مریضِ ناتوان تو نے
(مصنف)

پہلو سے یون وہ لیگئے دل کو نکال کے — اُف کرکے رہگیا مین کلیجہ سنبھال کے (زمزمہ)

ظفر حسین۔ انشاء اللہ اب بہت جلد کامیابی ہوگی تمھاری وجہ سے میرے حواس قائم نہ تھے

کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں اور کیا نہ کروں۔

نورجہان۔ خدا کی پناہ جیسا میں دلاور کی بابت سُنا کرتی تھی اُس سے زیادہ اُس کو پایا
وہ بڑا مکّار ہے اُس کے قبضہ میں پریاں جن کے دیکھنے سے عقل حیران ہوتی ہے۔ میرا خیال تھا کہ
اب اُسی کی قید میں زندگی گذرے گی۔ یہ موئی شمیمہ اِس غضب کی ہے کہ بڑے بڑوں کے اس نے
کان کاٹے ہیں مگر فریب کی مجسم تصویر ہے۔ اُس کے کاٹے کا منتر نہیں۔ کس چالبازی سے میرے
پاس آئی اور دھوکا دیا جب بے ہوش ہوئی اور آنکھ کھلی تو اپنے کو ایک سوٹ میں پایا۔ اُسوقت
خیال گذرا کہ میں حالت خواب میں ہوں مگر جب معلوم ہوا کہ نہیں ایسا نہیں ہے تو دماغ
قابو میں نہ رہا فوراً غشی طاری ہو گئی۔ اب جو آنکھ کھلی تو ایک سجے ہوئے مکان میں تھی پھر نہ پوچھو
کہ دل کی کیا حالت ہوئی۔ غور کرنے سے معلوم ہو گیا یہ دلاور کی چالبازی ہے اور اُس نے مجکو
اس لیے غائب کرا لیا ہے کہ تم اُس کے خیال سے باز آؤ۔ اس تصور سے جان پر اور بن گئی کہ
خدا معلوم دشمن تمھارے ساتھ کیا سلوک کریں۔ اپنا قید ہونا بھول گئی اور تمھارے بابت
خیال کر کے چیخیں مار مار کر رونے لگی۔ تھوڑی دیر بعد وہی لڑکی شمیمہ آئی جتنی دیر تک تو بیٹھی
گربانی رہی اُسکو باتیں سُناتی رہی۔ اس دغابازی کو دیکھو میں تو خفا ہو رہی ہوں اور وہ
کھڑی ہوئی رو رہی ہے ہاتھ جوڑتی ہے اور کہتی ہے "بیوی مجھسے بڑی غلطی ہوئی میں کیا جانوں
کہ اس شیشی میں کیا تھا آپ ہی نے کہا کہ لونڈر ہے تو مجکو بھی معلوم ہوا۔ یہ موا لونڈر بھی بڑی بُری
چیز ہوتا ہے اب کبھی نہ سونگھیے گا خواہ کتنا ہی خوشبو دار کیوں نہ ہو مگر دو مہینہ ہوئے ماموں جان
نے مجکو ایک شیشی لا دی تھی اُس میں یہ بات نہ تھی دیکھیے میرے کپڑے سونگھئے اب تک خوشبو باقی ہے
معلوم ہوتا ہے بھول سے اُس شیشی میں کچھ اور رکھ دیا گیا۔ کچھ بھی ہو بیوی میں تو یہی کہوں گی کہ
اب لونڈر سے پرہیز کیجیے گا۔ اس سے بہتر عطر ہوتا ہے وہی استعمال کیجیے گا ماموں جان نے مجکو مہندی
کی پتیوں کا عطر لا دیا ہے وہ کہتے تھے کہ اسکو عطر ہرگز حنا کہتے ہیں۔ کیوں بیوی آپ تو ماشاءاللہ
پڑھی لکھی ہیں کیا دراصل مہندی کو حنا بھی کہتے ہیں؟" یہ باتیں اُس نے کچھ اس طریقے سے کی
تھیں کہ اگر میں حالت مصیبت میں نہ ہوتی تو ضرور ہنسی آ جاتی مگر یہاں تو دل پر بنی ہوئی تھی
سُنکر اور غصّہ آیا میں نے ڈانٹا کہ دور ہو میرے سامنے سے۔ اس پر بھی نہ مانی اور میرے پیروں سے
لپٹ گئی اور اپنے چھوٹے ریشمی لہنگے سے میرا جوتہ صاف کر کے کہنے لگی بیوی یہ بڑا اچھا ہے۔
ماموں جان سے میں نے کہا تھا کہ مجکو بھی ایک اسی طرح کا لا دیجیے تو جواب دیا "نہیں ابھی تم سلیپر

ہی پہنو جب بڑی ہو گی تو اسطرح کا جوتہ پہننا۔ کیوں بیوی جب آپ بھی میری طرح چھوٹی سی تھیں تو سلیپر ہی پہنتی تھیں یا موں جان نے مجھ سے جھوٹ کہا؟" اس کی اس بے تکی بات پر مجھ سے بھی ضبط نہ ہو سکا۔ مسکرا لینے ہی کو تھی کہ اس کی شرارت یاد آ گئی۔ اور میں نے پھر زور سے ڈانٹا اتنے میں ایک ساد ملو آیا اور وہ بھی شمیمہ پر خفا ہوا تو منہ پھلا کر چلی گئی۔ میں اپنے غم میں مبتلا ہو گئی کہ دیکھیے اب کیا ہوتا ہے۔ وہاں سے بھی مجکو وہ لوگ ایک موٹر پر کہیں اور لے گئے۔ موٹر اس تیزی سے جاتی تھی کہ جیسے تیز آندھی میں ایک ہلکا سا پتہ اڑا جاتا ہو۔ میری خاطر بہت کی جاتی تھی مگر مجکو کچھ اچھا نہ معلوم ہوتا تھا۔ کم از کم پندرہ (۱۵) ایسے مکانات کی سیر کرائی جن کو دیکھنے سے عقل دنگ ہوتی تھی۔ مجھ سے دلاور نے ایک دن کہا تھا "ظفر حسین ابھی بچہ ہیں اگر ان کی زندگی ختم ہو جاوے گی تو بھی مجکو گرفتار نہیں کر سکتے بیکار اپنے کو پریشان کرتے ہیں" میرے خیال میں واقعی اس کا مقابلہ کرنا مشکل ہے پھر تم کو اختیار ہے میں منع نہیں کرتی۔ مجھ سے دلاور نے بہت بہت کہا کہ میں تم کو سمجھوں کہ اس خیال سے باز آؤ مگر میں نے نہ مانا اسپر مجکو ڈرایا دھمکایا بھی لیکن میں نے کچھ نہ لکھا۔

ظفر حسین۔ جو کچھ بھی ہو اب تو جو ارادہ کر لیا ہے خدا اسکو پورا کرے گا۔

نور جہاں۔ میں پھر بھی کہتی ہوں کہ اس ارادہ سے باز آؤ بلکہ جہاں تک ہو سکے کوشش کر دو۔

ظفر حسین۔ ایک غیبی مدد کا سہارا ہے۔ تمھاری رہائی غیر ممکن تھی اگر وہ پرچہ نہ ملتا خدا معلوم یہ لڑکی کون ہے۔ آواز بالکل شمیمہ سے ملتی ہے۔

نور جہاں۔ میں یہ نہیں جانتی کہ وہ کون ہے مگر سب سے زیادہ مجھ پر وہ مہربان تھی غالباً شمیمہ کی بڑی بہن تھی۔

ظفر حسین۔ خیر اگر آئندہ سے اس سے مدد ملی تو بہت اچھا ہے۔ ورنہ دیکھا جاویگا۔ خدا ہماری مدد کریگا۔

شب کے نو بج چکے ہیں ظفر حسین اٹھکر باہر آیا دل میں خیال کیا کہ میں سنتا ہے اس مقدمہ کے لیے کوئی خفیہ پولیس کے انسپکٹر خیام سندر صاحب آئے ہوئے ہیں ان سے ملاقات کر آؤں یہ سوچکر اٹھا کپڑے پہن کر کوتوالی پہونچا۔

کوتوال انیس احمد صاحب دیکھتے ہی کہنے لگے۔

کوتوال صاحب۔ کہئیے ظفر حسین صاحب اسوقت آپ کہان۔
ظفر حسین۔ شیام سندر صاحب سے ملاقات کرنے آیا ہون۔
کوتوال صاحب۔ وہ ایک کام کو گئے ہین آتے ہی ہون گے نہایت ہوشیار آدمی ہین اب اولادر کی خیر نہین۔ مجھے افسوس ہے کہ مین دو ماہ کی رخصت پر جارہا ہون کیونکہ میرے لڑکے کی شادی ہے۔ انشاء اللہ اس عرصہ مین ولاور بھی گرفتار ہو جاوے گا اور اگر ایسا نہ ہو تو میری چھٹی بھی ختم ہو جاوے گی پھر دیکھا جاوے گا۔
ظفر حسین۔ آپ کب سے تشریف لیجائیگا۔
کوتوال صاحب۔ بس کل ہی روانہ ہو جاؤنگا۔
ظفر حسین۔ شیام سندر صاحب کا وطن کہان ہے۔
کوتوال صاحب۔ الہ آباد کے رہنے والے ہین ابھی متعدد بدمعاشون کے گروہ بارہ بنکی مین گرفتار کیے ہین۔ نہایت اچھے سُراغ رسان ہین۔ حکام ان سے بہت خوش ہین۔
ظفر حسین۔ تو اب کامیابی کی اُمید کرنا چاہیے۔
کوتوال صاحب۔ اُمید تو ہے۔
یہ باتین ہو رہی تھین کہ انسپکٹر صاحب بھی آگئے۔ کوتوال صاحب نے دونون آدمیون کو ایک دوسرے سے تعریف کرکے تعرف کرایا۔
ظفر حسین۔ مین نے جناب کی بڑی تعریف سُنی ہے خدا کرے آپ ہی کی مدد سے دلاور پر فتح ہو۔
انسپکٹر صاحب۔ مین کس قابل ہون یہ صرف آپکا حُسن ظن ہے مجھکو اس عجیب غریب واقعہ قتل اور مقدمہ کی خبر ہو گئی تھی آپکی رپورٹ و نیز اخبارات کے متعلق مضامین پڑھکر سمجھ گیا تھا کہ معاملہ بہت ٹیڑھا ہے۔ ولاور کا مقابلہ آسان امر نہین مگر آپ کی کارروائیان اور دیگر بیانون سے معلوم ہوا کہ آپ نہایت ذکی و فہیم آدمی ہین۔ کچھ ایسے مقدمے تھے کہ مین آنہ سکتا تھا۔ خیر خدا کا شکر ہے سب معاملات طے ہو گئے اب یہان آیا ہون دیکھیے کیا ہوتا ہے مگر آپ ایسے ذہین اور سمجھدار آدمی ساتھ ہین اس لیے کچھ اُمید ہوتی ہے کہ دلاور کا مقابلہ ہو سکے گا۔
ظفر حسین۔ افسوس ابھی تک مین نے کوئی ایسا کام نہ کیا جس پر فخر کرسکون نورجہان کو غائب ہو جانے سے اور بھی پریشان تھا۔

انسپکٹر صاحب۔ اب کچھ مطلب کی باتیں کرنا چاہئیں۔ الغرض گذشت گذشت۔ پوری
کوشش اس امر کی کرنا چاہیے کہ "طلسمی برج" کہاں ہے۔ مجھے معلوم ہوا کہ کوئی نقش آپ کے ہاتھ
آ گیا تھا اور بدمعاش نے اُس کے ذریعہ سے غائب کرا لیا۔ دلاور کو جس قدر اپنی قوت پر ناز ہے وہ
صرف طلسمی برج پر قابض ہونے کی وجہ سے۔ اگر اُس کا پتہ چل گیا تو خیال کر لینا چاہیے کہ بس
اب فتح ہے۔

ظفر حسین۔ وہ نقش جس کو طلسمی برج کی کنجی کہنا چاہیے مجھ کو دستیاب ہوا تھا جس کے دو حصہ
مٹے ہونے کی وجہ سے میں کچھ نہ سمجھ سکا۔ بعد کوشش کرنے کے دو حرف "طلسمی برج" پڑھ سکا
ممکن ہے کہ آئندہ اُس سے کوئی صورت پیدا ہوتی۔

انسپکٹر صاحب۔ خیر اب کیا ہو سکتا ہے گذشتہ را صلوٰۃ آئندہ را احتیاط۔ اب میری پوری
کوشش کا مرکز اُس کا پتہ لگانا ہے۔

ظفر حسین۔ ایک با عتبار شخص ہے دلاور کے یہاں ایک لڑکی شمیمہ ہے دلاور کو اُس پر
بڑا اعتماد ہے اپنی پوری قیام گاہ اُسی کی سپردگی میں اکثر چھوڑ کر چلا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ اگر
اُس سے کبھی ملاقات ہو جائے تو اُس کی چالبازی سے بچتے رہیے گا۔

انسپکٹر صاحب۔ میں اُس کی بابت سُن چکا ہوں حتی الامکان اُس کی چالبازی سے
بچوں گا۔

ظفر حسین تھوڑی دیر تک باتیں کرنے کے بعد گھر روانہ ہو گیا۔

انسپکٹر صاحب کچھ دیر تو بیٹھے ہوئے خیالی گھوڑے دوڑایا کیے پھر کچھ سوچ کر اُٹھے سیدھے
چار باغ اسٹیشن پہونچے۔ پلیٹ فارم پر ٹہلنا شروع کیا مگر کوئی بات حسب دلخواہ نہ معلوم ہوئی
ارادہ کیا کہ باہر نکلیں دیکھا کہ ایک موٹر اسٹیشن کے اُس مقام پر آ کر کھڑی ہوئی جہاں اول
دوم درجہ کے ٹکٹ ملتے ہیں۔ موٹر سے ایک سفید برقعہ پوش لانبے قد کی عورت اُتری
ایک آدمی نے بڑھ کر ایک پرچہ اُس کے ہاتھ میں دیا۔ برقعہ پوش عورت نے پرچہ لے لیا جس
موٹر سے وہ عورت اُتری تھی اُس پر وہ آدمی بیٹھ گیا اور موٹر روانہ ہو گئی۔ عورت پرچہ
پڑھتی ہوئی آگے بڑھی انسپکٹر صاحب بھی ہوشیاری سے اُس کے پیچھے ہو لیے اور اتنا قریب
ہو گئے کہ عبارت خط اچھی طرح پڑھ سکیں۔ تعجب یہ ہے کہ پرچہ کا مضمون بلند آواز پڑھا
جا رہا تھا جو صرف اسقدر تحریر تھا "اور صفحہ ۳۵ جلا کر خاک کر ڈالو" برقعہ پوش عورت نے

پرچہ پڑھکر جلا ڈالا ہے تو اب گڈھ جانے والی گاڑی کھڑی تھی عورت نے رائے بریلی کا ٹکٹ لیا
اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔ انسپکٹر صاحب بھی ٹکٹ لیکر گاڑی میں بیٹھ گئے۔

دل میں خیال کرنے لگے "اس پرچہ میں کیا راز تحریر تھا اس میں تو کوئی شک نہیں کہ
یہ عورت دلاور کے گروہ سے تعلق رکھتی ہے۔ میں ذرا دیر قبل پہونچ جاتا تو پوری عبارت
پڑھ لیتا۔ مگر افسوس صرف اتنا ہی پڑھ سکا اور صفحہ ۳۵ جلا کر خاک کر ڈالو ہونہ ہو یہ اُس
کتاب کے متعلق ہدایت کی گئی ہو جو دلاور سوداگر صاحب سے چھین لایا ہے۔

صفحہ ۳۵ میں طلسمی برج کا راز تحریر ہوگا۔ چونکہ خود دلاور طلسمی برج پر قابض ہے چاہتا
ہے وہ صفحہ جس میں کہ اُسکا راز تحریر ہے جلا کر خاک کر ڈالا جائے تاکہ آئندہ کوئی شخص پتہ نہ پائے
پھر وہ صفحہ کس طرح حاصل ہو سکتا ہے۔ اگر برقعہ پوش عورت کا میں نے تعقب کیا اور وہ
مجھ سے پیشتر اپنے مقام پر پہونچے گی تو فوراً دلاور کے حکم کی تعمیل کرے گی لہذا پہلے یہ دیکھنا چاہیے
کہ وہ اُتر کر کدھر جاتی ہے اور قبل اس کے کہ وہ اُس مقام تک پہونچے مجکو اس عورت کا انتظام
کر دینا چاہیے اسکے بعد پھر کتاب کی جستجو کرنا چاہیے" کچھ سوچکر جیب میں ہاتھ ڈالا اور کچھ
ٹٹول کر کہنے لگے "ٹھیک ہے"۔

قریب ایک بجے شب کو گاڑی رائے بریلی پہونچی برقعہ پوش عورت اُتر کر اسٹیشن کی
جانب مغرب روانہ ہوئی انسپکٹر صاحب نے بھی تعقب کیا وہ عورت محلہ قلعہ میں پہونچکر ٹاؤن
ہال کے سامنے والے پھاٹک پر کھڑی ہو گئی۔ چاروں طرف تجسس آمیز نظر ڈالکر پھاٹک میں
داخل ہوئی انسپکٹر صاحب نے بھی پیچھا کیا اب وہ عورت ایک احاطہ میں تھی جو پختہ چہار دیواری
سے محدود تھا۔ یہاں بکثرت جنگلی درخت لگے ہوئے تھے اس احاطہ میں جانب شمال ایک اور
پھاٹک لگا ہوا تھا وہ عورت اُس میں داخل ہوئی انسپکٹر صاحب نے بھی تیزی سے تعاقب کیا اب وہ
عورت ایک بالکل بوسیدہ پختہ عمارت میں داخل ہوئی جس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ آدمی
تو خیر شاید کسی پالتو مویشی کا بھی اُس میں مدت سے گذر نہیں ہوا۔ برقعہ پوش عورت ایک
صحنچی میں گئی۔ اسوقت انسپکٹر صاحب نے خیال کیا بس یہیں سے کوئی پوشیدہ راستہ ہو سکتا
اور یہ عورت اب غائب ہو جاوے گی۔ یہ خیال کر کے تیزی سے جھپٹے اور پیچھے سے جا کر اُسکی
گردن دبائی۔ وہ چلانا ہی چاہتی تھی کہ انسپکٹر صاحب نے جیب سے ایک ربڑ کا گیند نکالا۔ اور
اُس کو دبا کر برقعہ پوش عورت کے چہرہ کی جانب کر دیا جس کی نکلی ہوئی ہوا نے عورت کو

بے ہوش کر دیا۔ فوراً برقی لیمپ روشن کرکے کھنچی کو چاروں طرف سے دیکھا زمین سے قریباً تین
گز کی بلندی پر ایک آہنی کھڑکی نظر آئی چڑھنے کا کوئی راستہ نہ تھا اُس کھڑکی کی سیدھ پر پیچھے
ایک پڑا دیوار میں پیوست تھا جس میں ایک کڑا لگا ہوا تھا اُس کو پکڑ کر گھسیٹا تو کھڑکی کے
پٹ کھل گئے اور ایک زنجیر لٹک کر نیچے گر پڑی اُسکو پکڑ کر چڑھنے کا قصد کیا تو زنجیر کو جنبش
ہوئی اور اس زور کا جھٹکا پڑا کہ زنجیر ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ جب قصد کیا یہی حالت ہوئی آخر
انسپکٹر صاحب بہت گھبرائے سوچتے سوچتے اُس پٹڑے کو بند کیا تو زنجیر خود اوپر چڑھنے لگی
انسپکٹر صاحب نے اُسکو پکڑ لیا اور اوپر پہنچ گئے۔ کھڑکی میں داخل ہوئے تو ایک کمرے میں
پہونچے اس کمرہ میں ایک کھڑکی اور لگی تھی اُسکو کھولا تو ایک چھوٹا کمرہ اور نظر آیا یہ کمرہ معمولی
ساز و سامان سے آراستہ تھا برقی لیمپ سے یہاں کی ہر چیز دیکھ ڈالی مگر کتاب کا پتہ نہ چلا
ایک الماری باقی رہ گئی تھی اُسکو کھولا تو ایک چھوٹا سا لوہے کا بکس ملا اُس میں نہ قفل تھا اور
نہ کنجی قصد کیا کہ اُٹھا کر اُسکو لیجاوں مگر وہ اسقدر وزنی تھا کہ اُسکو جنبش نہ ہوئی۔ بغور
سے دیکھا تو بکس کے داہنی جانب ایک پیچ لگا تھا اُسکو گھمایا تو ایک آواز آئی اور بکس کھل گیا
دیکھا تو کتاب رکھی ہوئی ہے۔ خدا کی پناہ اس کتاب کو دیکھکر انسپکٹر صاحب کو جو خوشی ہوئی
وہ صرف وہی دل تصور کر سکتا ہے جس کو طلسمی برج کے سے خزانہ ملنے کی مسرت ہو اگر ذرا
سا خوف نہ ہوتا تو شادی مرگ ہو جانا کوئی تعجب خیز بات نہ تھی یہ کتاب تھی تو چھوٹی سی مگر
حجم قریباً ۳ انچ تھا فوراً کتاب اٹھالی اور اس خیال سے کہ اب یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں اُنھیں
درجوں کو طے کرتے ہوئے باہر نکلے کتاب نہایت حفاظت سے کوٹ کی جیب میں رکھ لی ٹھیک
تین بج گئے تھے سیدھے اسٹیشن پہونچے لکھنؤ جانیوالی گاڑی تیار کھڑی تھی فوراً ٹکٹ لے کر
سکنڈ کلاس کے ایک تنہا درجہ میں اس غرض سے بیٹھے کہ یہاں اطمینان سے کتاب کا مطالعہ
ہوگا۔ گاڑی روانہ ہی ہونے کو تھی کہ درجہ کا پٹ کھلا اور ایک لڑکی ہاتھ میں طوطے کا پنجرہ
لیے ہوئے داخل ہوئی انسپکٹر صاحب کچھ کہنے ہی کو تھے کہ گاڑی روانہ ہو گئی لڑکی کو دیکھا کہ حلیہ
سے پہچان لیا کہ شمیمہ ہے دل میں کہنے لگے اللہ خیر کرے لڑکی انسپکٹر صاحب سے ایک لفظ بھی
نہ بولی اور آکر سامنے والے برتھ پر نہایت خاموشی سے بیٹھ گئی گاڑی تیزی سے جا رہی تھی
انسپکٹر صاحب نے خیال کیا اس کے ہاتھ میں طوطا ہے یہ اس سے کوئی نہ کوئی حرکت ضرور
کرے گی جب گاڑی چار اسٹیشن نکل گئی تو لڑکی نے کہا۔

معاف فرمائیے گا میں نے آپ کو پہچانا نہ تھا" یہ کہکر مؤدبانہ سلام کیا اور کہنے لگی "آپ میرے طوطے کو بلی کی طرح کیوں گھور رہے ہیں وہ کوئی جاندار تھوڑی ہے۔

انسپکٹر صاحب۔ (دل میں) یہ بلا کہاں ساتھ ہو گئی خیال کیا تھا گاڑی میں تنہا بیٹھکر اطمینان سے کتاب کا مطالعہ کرونگا۔ مگر آج اس کو بھی جگہ دینا چاہیے یہ بھی یاد رکھنے کی کس کا سامنا ہوا تھا۔ تمھارا نام کیا ہے۔

لڑکی۔ ماموں جان نے کہدیا ہے کہ جھوٹا بولنا گناہ ہے اس لیے نام چھپانے سے کیا فائدہ میرا نام شمیمہ ہے۔

انسپکٹر صاحب۔ کیا اپنا طوطا ہم کو دکھاؤ گی۔

شمیمہ۔ جی ہاں شوق سے ملاحظہ فرمائیے اگر اس کا ایسا پر دبائیے گا تو یہ اڑنے لگے گا۔

انسپکٹر صاحب۔ ہاں بھئی لاؤ دیکھیں کیونکر اڑتا ہے۔

لڑکی نے پنجرہ ہاتھ میں دیدیا اور خاموشی سے اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔ انسپکٹر صاحب نے کھڑکی کھولی اور پنجرہ باہر پھینکر کہنے لگے۔

انسپکٹر صاحب۔ لو بھئی وہ تو مع پنجرہ کے اڑ گیا۔

شمیمہ۔ (خندہ پیشانی سے) جا نہ سیکھے ہوئے کو وہ تھا ہی کس کام کا اتنے میں دروازہ کھلا ٹی۔ ٹی۔ سی۔ منھ میں سگار دبائے ہاتھ میں قینچی اور رزٹ بک لیے درجہ میں داخل ہوا۔ آتے ہی انسپکٹر صاحب سے ٹکٹ مانگا جو چیک کرکے واپس کر دیا گیا۔

جب لڑکی سے ٹکٹ مانگا تو کہنے لگی میرے پاس نہیں ہے۔

ٹی۔ ٹی۔ سی۔ تم کس کے ساتھ ہو۔

شمیمہ۔ (انسپکٹر صاحب کی طرف اشارہ کرکے) میں ان کے ہمراہ ہوں۔

ٹی۔ ٹی۔ سی۔ (انسپکٹر صاحب سے) اس لڑکی کا ٹکٹ عنایت ہو۔

انسپکٹر صاحب۔ جناب یہ لڑکی میرے ہمراہ نہیں ہے اس کو اپنی حفاظت میں رکھیے یہ نہایت بدمعاش لڑکی ہے۔

ٹی۔ ٹی۔ سی۔ نے رزٹ بک نکال کر لڑکی سے ڈانٹ کر پوچھا کیوں بتاتی نہیں کس کے ہمراہ ہے تیرا کیا نام ہے۔

شمیمہ۔ میرا نام شمیمہ ہے لکھ لیجئے میں ماموں جان کے ہمراہ آئی تھی وہ مجھ سے خفا ہوکر کہیں چلے گئے۔

ٹی۔ ٹی سی۔ تیرے ماموں کا کیا نام ہے۔

شمیمہ۔ ناصر۔ وہ دلاور کے ہمراہ رہتے ہیں اور انھیں کے نوکر ہیں۔

دلاور کا نام سنتے ہی ٹی ٹی سی کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ جسم میں لرزہ پڑ گیا۔ انسپکٹر صاحب کے پاس جھک کر کہنے لگے۔

ٹی ٹی سی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ لڑکی ٹھیک کہتی ہے یا غلط۔

انسپکٹر صاحب۔ لڑکی بالکل ٹھیک کہتی ہے یہ اسکے گروہ میں شامل ہے۔

ٹی۔ ٹی سی۔ تم کہاں جا رہی ہو۔

شمیمہ۔ میں چار باغ اسٹیشن پر اتروں گی موٹر پر بیٹھکر گھر چلی جاؤں گی۔

ٹی ٹی سی کے منھ میں سگار ہے جس کا دھواں برابر انسپکٹر صاحب کی طرف چھوڑ رہا ہے۔ انسپکٹر صاحب کے ہاتھ پیروں میں سنسنی شروع ہوئی خیال کیا غضب ہو گیا۔ یہی دلاور ہے فوراً جیب میں ہاتھ ڈالکر پستول نکالنا چاہا۔ مگر جنبش نہ ہوئی اٹھنا چاہا پیروں میں قوت نہ رہی کچھ کہنا چاہا زبان میں قوت گویائی نہ رہی۔ صرف قوت سامعہ اور باصرہ ہی ایسی تھیں جو باقی رہ گئیں۔

ادھر ٹی ٹی سی۔ صاحب نے ایک قہقہہ لگایا اور کہنے لگے "گھبراؤ نہیں دلاور تمھارے ساتھ ہے اگر میں پہلے سے یہ ترکیب نہ کرتا اور آتے ہی تم کو بے حس بنانے کی کوشش کرتا تو ممکن تھا پہچان کر بچاؤ کی تدبیر کرتے انسپکٹر صاحب بالکل خاموش بیٹھے تھے صرف چہرہ کا اُتار چڑھاؤ دل کے خیال ظاہر کر رہا تھا۔

دلاور۔ عجیب لگی ہے ایک ٹی ٹی سی۔ میرے پیچھے پیچھے ٹکٹ چیک کرتا ہوا آرہا ہے۔ کیا لطف آتا ہوگا جب وہ ٹکٹوں کو گنتا ہوا دیکھتا ہوگا۔ مسٹر شیام سندر کیا میں اچھا ٹی۔ ٹی سی۔ نہیں ہوں۔ ابھی تک گاڑی میں صرف پانچ آدمی بغیر ٹکٹ کے تھے جن میں سے چار آدمی تو ہمارے ملازم پیشہ کردہ کا دستہ ہے تھے کیونکہ انھوں نے عمداً ٹکٹ نہیں خریدا تھا جن کا نام میں نے نوٹ بک میں درج کر لیا ہے۔ اور ایک آدمی واقعی بہت نادار تھا وہ لکھنؤ کہیں نوکری کی غرض سے جا رہا ہے۔ بیچارہ کے پاس اتنا بھی نہ تھا کہ ٹکٹ خرید سکتا میں نے

پوشیدہ طور سے اسکو کچھ رقم دیدی ہے اگر وہ ایمانداری اور قاعدے سے صرف کریگا تو
ایک مدت تک گھر بیٹھے کھا سکتا ہے۔

مسٹر شیام سندر یہ سگار جسکے دھوئین نے تمکو تصویر کی صورت بنا رکھا ہے خاص ولایت
ایجنسی مین تیار ہوتا ہے اس کی تمباکو مین ایسے ایسے اجزا شریک ہین کہ پینے والے کا دماغ
نہایت تروتازہ رہتا ہے ہان اس کا دھوان بیشک ایک چالاک آدمی کو بےحس بنا دیتا ہے
یہ کوئی معمولی سگار نہین بس یہ خیال کر لو کہ سوائے ولایت کے اور کسی کے پاس نہ پاؤگے
یہ میری ہی ایجاد ہے۔ اس مین کیا اچھی صفت ہے کہ دھوئین سے جتنے ہوئے اپنے لگون
نے جہان آدمی کے چہرہ پر پہونچا کچھ دیر گردش کی ہاتھ پیر بالکل بےحس ہوجاتے ہین۔ زبان
تک گویائی سے قاصر رہتی ہے بلکہ مین تم سے یہ بات سمجھا دون کہ اس کا دھوان بجلی کا ایک کرنٹ
ہے جو دماغ سے ہوتا ہوا رگ رگ ریشے مین اثر کر جاتا ہے۔ شاید تم سوچ رہے ہو کہ مین خود سگار پی
رہا ہون اور اس کا اثر مجھپر کچھ نہین ہوتا بات یہ ہے کہ جبتک دھوان کچھ دیر تہ ہوا مین قائم
نہین رہتا اثر نہین کرتا۔

اسیوجہ سے مین دھوان دیتے تمھارے چہرہ کی طرف چھوڑ رہا تھا مگر تم میری او[illegible]
کی گفتگو اسقدر غور سے سن رہے تھے کہ اپنا کچھ ہوش ہی نہ رہا جب دھوئین نے پورا اثر کر لیا
تو تم کو خبر ہوئی۔

اس سگار مین ایک خاص بات اور بھی ہے۔ اگر نہ جاننے والا اس سگار کو پیئے تو فوراً مر جائے
اسی وجہ سے مین نے تم کو بھی نہ دیا مجکو بدتہذیب نہ خیال کرنا مین کسی کو ہلاک کرنا پسند نہین کرتا
ورنہ وہی پستول جسکو تم نے میرے ہلاک کرنے کے واسطے جیب سے نکالنا چاہا تھا اسی سے
تمھارا خاتمہ کر سکتا ہون۔ ہان تو سگار پینے کی ترکیب یہ ہے کہ جہان تک ہو سکے دھوان اپنے
منہ سے نکال ڈالے سگار پینے کے بعد ایک بوتل لمنیڈ کی پی ڈالے بس کچھ نہین ہوتا مین
تم سے سچ کہتا ہون اسکے پینے کے بعد دماغ اسقدر تروتازہ ہوجاتا ہے اور طبیعت کو وہ فرحت
اور خوشی حاصل ہوتی ہے جتنی تم کو اس کتاب کے ملنے کے بعد ہوئی تھی جو تمھارے کرتے
کی جیب مین ہے اب تم خود اندازہ کر سکتے ہو کتنا نایاب سگار ہے۔

بیٹی شمیم انسپکٹر صاحب کی جیب سے کتاب نکال لو مگر اس طرح کہ انکو کچھ معلوم نہ
ہونے پائے۔ شمیم ہنستی ہوئی اٹھی اور کتاب جیب سے نکال لی۔

انسپکٹر صاحب کے ہاتھ پیر دن مین توحس نہ تھا مگر طلسمی برج کا سا خزانہ جیب سے نکلا جاتا ہے۔ غصہ سے دل کا خون کھولا اور سرخی بنکر چہرہ پر نمودار ہو گیا۔

دلاور۔ انسپکٹر صاحب واقعی دلاور نے اپنی عمر مین آج دھوکا کھایا تھا وہ بھی ایک بیوقوف عورت کی وجہ سے اگر کچھ حرج نہ ہوا مگر میرے آرام مین خلل پڑا۔ سنو مجکو معلوم ہوا کہ تم تفتیش کے واسطے معین کیے گئے ہو جب تم کوتوالی سے نکلے تو مجکو خبر لگ گئی تھی، مگر تمھارا چار باغ آنا اسوقت معلوم ہوا کہ جسوقت تم راے بریلی پہونچ چکے تھے بلکہ غالباً اُس بکس کھونے کی تدبیر سوچ رہے ہوگے جس سے کتاب نکال کر لائے ہو۔ کیونکہ تم کتاب لیکر راے بریلی کے اسٹیشن پر پونے گھنٹہ مین پہونچے تھے۔ بس اُسی وقت مین لکھنؤ سے موٹر پر سوار ہو کر راے بریلی پہونچا۔ لکھنؤ سے راے بریلی ۴۹ میل ہے موٹر بالکل معمولی رفتار سے آئی۔ یون سمجھو کہ ۴۵ منٹ مین ۴۹ میل چلی۔ یعنی فی منٹ ایک میل ۱۵۷ گز مسافت طے کی۔ مین یہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ کتاب تم کو مل گئی ہوگی اور تم لکھنؤ آنے والی ٹرین پر ملو گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

تم نے مجکو سخت تکلیف دی لیکن چونکہ یہ پہلی غلطی ہے اس لیے معاف کرتا ہون۔ گاڑی اسٹیشن سے باہر نکل آئی ہے اگلا اسٹیشن چار باغ کا ہے گاڑی تین منٹ مین لکھنؤ پہنچ جائے گی دو منٹ کے بعد تمھارے دماغ پر بھی اثر ہوگا اور پانچ منٹ تک بالکل بے ہوش رہوگے۔ اس حساب سے لکھنؤ کے اسٹیشن پر ۴ منٹ تک گاڑی مین آرام کرتے رہو گے اور میں اس عرصہ مین کسی قیام گاہ تک پہنچکر آرام سے لیٹا ہون گا۔

انسپکٹر صاحب تم کو میرا ممنون ہونا چاہیے اور خوش ہونا چاہیے کہ تم کو بڑی زحمت سے بچا یا۔ کیا فائدہ تھا جو طلسمی برج تلاش کرتے۔ خدا معلوم کیا ہوتا کیا نہ ہوتا۔ مین سچ کہتا ہون کہ مجکو خود تلاش کرنے مین سیکڑون مشکلین پڑی تھین۔ دوسری بات یہ ہے کہ سوداگر صاحب کی روح کو بڑا صدمہ ہوتا انھون نے یہ کتاب میرے پاس امانت رکھوائی تھی تم امانت مین خیانت کرنیوالے کون:

ظفر حسین سے کہدینا کہ مین تمھارے ساتھ بھی سختی سے برتاؤ کرون گا۔ انسپکٹر صاحب خاموش بیٹھے ہوئے سن رہے تھے کہ آنکھین بند ہونے لگین اور غشی طاری ہو گئی۔

ہوگئین بند مری منتظر آنکھین افسوس
مجلسِ شوق مین کون آج سے ساقی ہوگا (عزیز)

باب ۱۱

شکستہ ہو کے اب تار نظر بھی الجھتے پھرتے ہین
پریشان کیا ہوا ہے کہ نہیں چاک گریبان ہے (رضا)

(زبیدہ)

انسپکٹر شیام سُندر صاحب کی آنکھ کھُلی گذشتہ واقعات خواب سے نظر آنے لگے - ہاتھ پیرون مین قدرے کمزوری باقی تھی - کچھ دیر خاموش بیٹھے رہنے کے بعد ٹرین سے اُتر کر اسٹیشن کے باہر آئے - تانگہ پر بیٹھکر کوتوالی پہونچے - رات بھر کے جاگے ہوئے تھے آتے ہی سو گئے قریب گیارہ بجے دن کو آنکھ کھُلی حمام کیا چا پیکر کرسی پر بیٹھکر کچھ سوچ رہے ہین کہ ظفر حسین آگئے -

ظفر حسین - مین صبح سے دو مرتبہ حاضر ہو چکا ہون مگر آپ کو سوتا ہوا پایا بیدار نہ کیا -

انسپکٹر صاحب - جی ہان کیا عرض کرون رات بھر جاگنا پڑا -

ظفر حسین - کیون خیریت تو ہے آپکا چہرہ بہت متغیر معلوم ہوتا ہے -

انسپکٹر صاحب نے برقعہ پوش عورت کا تعقب کرنا راستے بریلی پہونچنا - کتاب کا دستیاب ہونا شمیمہ کی ملاقات - دلاور کی چالبازی - سب واقعہ بیان کردیا -

ظفر حسین - یہ کمبخت دلاور بلائے آسمانی کی طرح نازل ہوجاتا ہے گویا ساتھ ہی ساتھ رہتا ہے -

انسپکٹر صاحب - افسوس اس امر کا ہے کہ مجکو بالکل وقت نہ ملا کہ کتاب کا ایک صفحہ بھی دیکھ سکون - تنہا ڈبہ مین اسی غرض سے بیٹھا تھا کہ اطمینان سے کتاب پڑھونگا مگر وہ بلائے جان شمیمہ آگئی دل مین آیا تھا کہ اُٹھاکر گاڑی کے باہر پھینکدون مگر واقعی چہرہ پر ایسا بھولا پن ہے کہ دیکھنے والا کبھی یقین نہیں کر سکتا کہ لڑکی اسقدر فطرتی ہے -

ظفر حسین۔ بلا کی لڑکی ہے آپ نے طوطے کا پنجرہ پھینکدیا اُس کو بالکل اثر نہ ہوا جانتی تھی کہ ولاور تو میرا ہے۔

انسپکٹر صاحب۔ قدم قدم پر مشکل کا سامنا ہوتا ہے۔ مجھسے ایک غلطی ہو گئی اگر میں بجائے تنہا ڈیرے کے ایسی جگہ بیٹھتا جہاں اور لوگ بھی ہوتے تو اچھا تھا مگر کیا خبر تھی کہ ولاور ساتھ ساتھ ہے۔

ظفر حسین۔ میں آپکے پاس ایک اہم کام کے واسطے حاضر ہوا ہوں میرا خیال ہے کہ آپکو کامیابی بہت جلد ہو گی۔

انسپکٹر صاحب۔ (بیتابی سے) جلد فرمائیے۔

ظفر حسین۔ اندر کمرے میں چلیے۔

دونوں آدمی اٹھے اور کمرے میں داخل ہوئے۔ ظفر حسین نے جیب سے ایک خط نکالکر انسپکٹر صاحب کو دیا۔ جس میں تحریر تھا۔

مہربان ظفر حسین صاحب تسلیم۔

کانپتے ہوئے ہاتھ سے لکھ تو رہی ہوں مگر دیکھیے اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے راقمہ وہی ہے جسکو آپنے اکبری دروازہ کے قریب ایک بدمعاش شرابی کے چنگل سے رہائی دلوائی تھی۔ میں اُس احسان کی ممنون ہوں۔ گو اس خط کا لکھنا صرف اسی وجہ سے نہیں بلکہ خدا معلوم کونسا ایسا مقناطیسی اثر ہے اور مجبوری واقع ہو گئی ہے کہ دل قابو میں نہیں سلاکر لاکھ چاہتی ہوں کہ قلم رکھدوں مگر بیتاب دل مجبور کر رہا ہے کہ لکھ اور ضرور لکھ۔ میں بدنصیب شمیم کی بڑی بہن ہوں۔ آپ یقین جانیے کہ میری طبیعت اور اُس کی فطرت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ خیر اس لکھنے سے کیا حاصل۔ مطلب یہ ہے کہ ولاور ایک نہایت سمجھدار اور ذہین آدمی ہے جب کوئی بات اُسکے خلاف واقع ہونیوالی ہوتی ہے تو گویا اُسکو قدرتی طور سے خبر ہو جاتی ہے۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ اُسکو الہام ہو جاتا ہے مگر انتظام اس قدر باقاعدہ ہے کہ ادھر آپ لوگوں نے کچھ قصد کیا اُدھر اُسکو معلوم ہو گیا۔ بس پھر اُسی کے موافق کارروائی کرتا ہے۔ قدرتی طور پر بیحد رحمدل ہے۔ اس وقت تک اُسکو اطمینان تھا مگر اب میں دیکھتی ہوں کہ دن بدن اُس کی پریشانی بڑھتی جاتی ہے گو اُسکو یقین واثق ہے کہ میرا کوئی کچھ بنا نہیں سکتا۔ مگر بعض اوقات متفکر ہو جاتا ہے۔ لہذا آپ جو کام کیجیے نہایت احتیاط سے۔ انشاء اللہ

آپ کو مجھ سے مدد ملیگی۔ میں نہایت خوف زدہ ہوں کہ اگر اس خط کے متعلق اُسکو خبر ہو گئی تو میری خیر نہیں۔ آج آپ مجھسے ۹ بجے شب کو اُس مکان میں جہاں سے نورجہان کو آپ لے گئے ہیں ملیے مگر احتیاط شرط ہے۔ ملاقات ہونے پر بہت کچھ بتاؤں گی۔ فقط

راقمہ ہاشمہ

انسپکٹر صاحب۔ جہاں تک میرا خیال ہے اس میں کوئی جعل و فریب نہیں کیونکہ ہاشمہ ہی کی وجہ سے نورجہاں کی رہائی ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہاشمہ آپ سے محبت کرنے لگی ہے جسکی وجہ سے مجبور ہو کر خط لکھ رہی ہے۔ اگر میرا خیال ٹھیک ہے تو دلاور پر اسے فتح پانا کوئی مشکل امر نہیں۔ خط فوراً جلا ڈالنا چاہیے اور آئندہ اس کے متعلق کچھ گفتگو نہ کرنا چاہیے۔ آپ وہاں ضرور جائیے اور جو ضروری باتیں ہوں ان کو دریافت کیجیے۔ جہاں تک ہوسکے طلسمی برج کا راز ضرور دریافت کیجیے گا۔

ظفر حسین۔ اچھا اب میں رخصت ہوتا ہوں۔

ظفر حسین کے جانے کے بعد انسپکٹر صاحب نے خیال کرنا شروع کیا۔ اگر ظفر حسین سے اور ہاشمہ سے ملاقات ہو گئی۔ اور کوئی آفت نہ نازل ہوئی تو پھر فتح ہے۔ انھیں خیالات میں تھے کہ گھڑی نے چار بجائے فوراً اُٹھے ہاتھ میں بید لیکر وکٹوریہ پارک روانہ ہو گئے۔ ٹہلتے ٹہلتے جیسے ہی پارک پہونچے تو دیکھا وہی برقعہ پوش عورت نہایت زدہ حالت میں ایک جھاڑی کے نیچے بیٹھی ہوئی رو رہی ہے۔ انسپکٹر صاحب بھی ایک درخت کی آڑ پکڑے ہوئے آہستہ آہستہ اُسکے قریب پہونچکر پشت کیجانب کھڑے ہو گئے۔

عورت نہایت دردناک آواز میں آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی "افسوس نہ دین کی رہی نہ دنیا کی۔ مجھسے کس قدر فاحش غلطی ہو گئی۔ اس زندگی سے تو اب مر جانا ہی بہتر ہے۔ دلاور تجھ سے علیحدہ خفا ہے۔ شمیم کے ماموں حد سے زیادہ ناراض ہیں۔ مگر واقعی امر یہ ہے کہ میری سزا بھی یہی تھی۔ اگر بھاگ نہ آؤں تو مجکو ضرور یہ لوگ مار ڈالتے۔ مگر اب کیا ہے دلاور میرا پتہ ضرور لگالےگا اور پھر نتیجہ وہی ہے اس سے بہتر یہی ہے کہ دریا میں ڈوب کر جان دیدوں۔ لاکھ لاکھ میں نے ہاتھ جوڑے کہ اب غلطی نہ ہوگی مگر ظالم نے کچھ توجہ نہ کی۔ اگر دلاور کے رازوں سے پولس کو آگاہ کرتی ہوں تو بھی وہ ظالم میرا پتہ لگا کر مار ڈالے گا اس لیئے یہی مناسب ہے جو میں نے سوچا ہے"

یہ کہکر کھڑی ہوئی کہ انسپکٹر صاحب سامنے آگئے۔ عورت دیکھتے ہی سہم گئی اور ڈر کر کہنے لگی۔ آپ کون۔ پہچان گئی افسوس آپ ہی کی وجہ سے میری یہ حالت ہوئی۔

انسپکٹر صاحب۔ تم کون ہو۔ میری وجہ سے تم کو کیا نقصان پہونچا۔

وہی عورت۔ کچھ نہیں اور یہ کہکر آگے بڑھنے کا قصد کیا۔

انسپکٹر صاحب۔ ٹھہرو خبردار آگے نہ بڑھنا سچ سچ بتاؤ کیا بات ہے۔

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد عورت اس طرح کہنے لگی۔ مین یہ جانتی ہون کہ آپ خفیہ پولس کے انسپکٹر شیام سندر صاحب ہین۔ مین سب واقعہ بیان کرنے پر راضی ہون ایک شرط سے۔

انسپکٹر صاحب۔ وہ شرط کیا ہے۔

وہی عورت۔ میری حفاظت کافی طور سے کیجئے۔

انسپکٹر صاحب۔ مین وعدہ کرتا ہون تم کو کوئی نقصان نہین پہونچ سکتا۔

وہی عورت۔ اچھا تو سنیے۔ میرا نام زبیدہ ہے۔ مین ناصر کی بیوی ہون۔ مجھسے جو غلطی ہوئی آپ اُس سے واقف ہین۔ یعنی آپنے میرا لے بریلی تک تعاقب کیا اور کتاب آپکے لئے خیر وہ کتاب تو دلاور نے آپ سے لے لی مگر مجکو سخت سزا دی۔ دلاور یون تو بیحد رحمدل ہے مگر اُس کے گروہ مین جس سے بھی کچھ غلطی ہوتی ہے تو اُسکو مار ڈالتا ہے چنانچہ شائد میرے ساتھ بھی وہی سلوک کرتا ہے سو جلد مین بھاگ آئی اب خیال کرتی ہون ممکن تھا کہ پہلے تو وہ معاف بھی کر دیتا مگر اب زندہ نہ چھوڑیگا اس لیے مین نے ارادہ کر لیا کہ خودکشی کر لون اس قصد سے اُٹھی تھی کہ آپ آگئے۔

انسپکٹر صاحب۔ تم اطمینان رکھو دلاور تمھارا کچھ نہین کرسکتا مگر یہ بتاؤ کہ اسوقت وہ کہان ہے۔

زبیدہ۔ نولسبہ مین جو نالہ ہے اور جانب مشرق اُس کے ایک کھنڈر سا پڑا ہے وہان سے ایک پوشیدہ راستہ ہے۔ دلاور کی ایک قیام گاہ وہ بھی ہے۔ وہین اسوقت دلاور موجود ہے۔ شمیم میری بھابی ہے اسوقت دلاور بالکل تنہا ہے۔ اور صرف شمیم ہی اُس کے ساتھ ہے وہ بیکا ایک سخت بیمار ہو گیا ہے اُسکے جتنے چیلے ہین۔ سب ایک مرحلہ پر مرادآباد گئے ہوئے ہین اور غالباً دو بجے شب تک سب واپس آجاوینگے۔ دلاور کو کبھی کبھی دورہ سر کا اسقدر سخت

دورا اٹھتا ہے کہ اس کی عجیب حالت ہوجاتی ہے۔ چنانچہ اسوقت اسکو وہ دورا اٹھا میں نے
دل میں خیال کیا بہتر ہے اسوقت یہاں سے بھاگ جاؤں۔

انسپکٹر صاحب نے جب عورت سے ہر طرح اطمینان کر لیا اور کوئی شبہ باقی نہ رہا تو
نہایت خوش ہوکر اسکو گاڑی پر لائے زبیدہ کو اپنے کمرے میں بٹھا لکر ایک سب انسپکٹر اور دو
کانسٹبلوں کو لیکر روانہ ہوگئے۔ خیال کیا کہ ڈاکو اسوقت بیٹھا ہے اور پھر بیمار ایسی حالت
میں اسکا گرفتار کرلینا کیا مشکل امر ہے۔

اس مقام پر پہنچے تو دیکھا واقعی ایک کھنڈر ہے۔ ہم اسی کھنڈر میں آئے بائیں ہاتھ کیطرف
ایک بہت بڑا گول پتھر دیوار کے قریب رکھا ہوا تھا۔ ہم اسکو ہٹانا چاہا۔ مگر جنبش نہ ہوئی۔ پتھر
کے درمیان ایک کیل لگی ہوئی تھی۔ جونہی اسکو نکالا پتھر چکی کی طرح جنبش میں آیا اور ایک فرش
پھٹ گیا۔ ایک غار نظر آیا۔ چاروں آدمی اس میں اترے تو ایک پختہ سرنگ تھی۔ جہاں
متعدد شمعیں روشن تھیں سرنگ کے سرے پر پہنچکر ایک دروازہ ملا جسکا پٹ کھلا ہوا تھا
ہم اس میں داخل ہوئے تو ایک کمرہ میں پہنچے جو نہایت تیرہ و تار تھا۔ چاہتے ہی تھے کہ بجلی کا لیمپ
روشن کریں کہ دیکھا سامنے شمیم ہاتھ میں ایک شمع لئے ہوئے سسکیاں بھرتی ہوئی چلی
آرہی ہے۔ انسپکٹر صاحب پر نظر پڑتے ہی چیخیں مار مار کر رونے لگی۔ دوڑ کر قدموں پر گر پڑی اور کہنے لگی
خدا کے لئے آپ ہمکو گرفتار نہ کیجئیگا وہ اسوقت درد سے بہت بے چین ہیں آپ سلامت رہئیے
وہاں نہ جائیے پھر کھڑی ہو کر پچھاڑیں کھانے لگی اور اس درد ناک لہجہ میں روئی کہ انسپکٹر صاحب
کو بھی ترس آگیا۔ ہاتھ پکڑ کر اٹھا لیا اور آگے بڑھے۔ مگر شمیم ماہی بے آب کی طرح مچل رہی ہے اور
کہہ رہی ہے "آپ ڈاکو کو دیکھکر کیا ماریئگا دیکھئے انھوں نے گاڑی میں آپکو کوئی تکلیف
نہیں دی۔ آپ نے ہمارا اطمینان چھپایا تھا مگر ہم نے کوئی شکایت نہ کی"

انسپکٹر صاحب ہاتھ پکڑے ہوئے خاموشی سے آگے بڑھے چلے جارہے ہیں کمرہ
کشادہ تھا سامنے دروازہ پر ایک نہایت نفیس پردہ پڑا ہوا تھا ہم اسکو ہٹا کر جونہی
قدم رکھا تو دیکھا ایک چھوٹا سا مکان بجلی کی روشنی سے منور ہے شمیم تو ہاتھ چھڑا کر علیحدہ
ہوگئی۔ انسپکٹر صاحب نے جو نظر اٹھا کر دیکھا تو دیکھا ڈاکو ایک شاندار کرسی پر بیٹھا ہوا ہے
گرد چیلوں کا مجمع ہے جو نہایت مودبانہ کرسیوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھتے ہی جی سے لے کے
پکڑ دھکڑ کا دریا آگیا۔ جب میں ہاتھ ڈالا کہ پستول نکالوں کہ ڈاکو نے تیوری چڑھا کر کہا "تمہاری

پستول یہاں موجود ہے۔ جیب میں کیوں تلاش کرتے ہو۔ ہم سے لو"۔ انسپکٹر صاحب نے چاہا کہ باہر نکل جاویں تو بجائے پردہ کے دروازہ بند پایا۔ ناچار آگے بڑھے۔ ایک آدمی نے اٹھکر چار کرسیاں لاکر رکھدیں۔ بیچارے کرتے کیا خاموشی سے بیٹھ گئے۔ مگر چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا ہے کہ شمیمہ آگے بڑھی۔ جھک کر سلام کر کے کہنے لگی "معاف کیجئیگا۔ آپکو سلام کرنا بھول گئی تھی۔ انسپکٹر صاحب آپکی وجہ سے مجھکو زمین پر لوٹنا پڑا۔ ذرا کپڑے بدل آؤں تو ابھی حاضر ہوتی ہوں" یہ کہکر چلی گئی۔

دلاور کرسی پر بیٹھا ہوا شمیمہ کی باتیں سنکر مسکرا رہا تھا۔ انسپکٹر صاحب کے غصہ میں ترقی ہوتی جاتی تھی کہ دلاور نے کہا۔

دلاور۔ مسٹر شیام سندر تم اپنا دماغ کیوں پریشان کرتے ہو۔ میں خود تفصیل سے واقعات بیان کئے دیتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ واقعی زبیدہ نے سخت دھوکا کھایا جسکی وجہ سے میں نے اس کو سزا بھی دی اُسنے قصد کر لیا کہ اسکا بدلا میں انسپکٹر صاحب سے لونگی نکلکر چلی گئی اُسکے بعد جو کچھ ہوا وہ ظاہر ہے۔ تم زبیدہ کو توالی لے گئے۔ وہاں خاص اپنے کمرہ میں جگہ دی۔ تم وہاں سے دو کانسٹبل اور سب انسپکٹر صاحب کو لیکر نکل کھڑے ہوئے کہ دلاور تنہا ہے اور بیمار ہے چلکر گرفتار کر لوں۔ چلتے وقت جب کوٹ پہنا تو زبیدہ نے پیشتر ہی سے کوٹ کی جیب سے پستول نکال لیا تھا۔ تم کو عجلت کی وجہ سے کچھ خیال نہ رہا جب تم لوگ کوتوالی سے نکلے تو زبیدہ بھی پیچھے پیچھے چلی وہاں سب لوگ سمجھے کہ زبیدہ کو بھی تم لوگوں نے ہمراہ لیا ہے تم لوگ کوتوالی سے نکلکر اکبری دروازہ کی طرف بڑھے وہ گول دروازہ میں داخل ہوئی وہاں موٹر کھڑی تھی بیٹھکر یہاں تم لوگوں سے قبل ہو نچگئی۔ اسوقت وہ حمام کر رہی ہے ابھی حاضر ہوکر معافی مانگیگی"

تھوڑی دیر بعد زبیدہ کو دلاور نے آواز دی وہ ایک کمرے سے مع شمیمہ کے مسکراتی ہوئی نکلی اور ایک خالی کرسی پر بیٹھ گئی۔

دلاور۔ مسٹر شام سندر زبیدہ نے تم کو بہت پریشان کیا ہے میں نے سنا ہے کہ تم کو علم موسیقی میں خاص دخل ہے زبیدہ بھی اس فن میں کامل ہے شمیمہ ہارمونیم بجانے میں فرد ہے۔ اس نے بڑی محنت وجانفشانی سے حاصل کیا ہے۔ چونکہ تمھاری آزادی کا آج آخری دن ہے اب اسی غریب خانہ میں کچھ مدت تک سکونت اختیار کرنا پڑیگی۔ مجھپر فرض

ہے کہ مہمان کی خاطر کرون ۔ یہ تو تم اچھی طرح سمجھ گئے ہوگے کہ مین کسی کی جان کا دشمن نہیں ۔ مین نے لاکھ لاکھ چاہا کہ تم لوگ میرے خیال سے باز آؤ مگر نہ مانا اب مجبور ہون آخر کار یہ طریقہ نکالا اب اگر مجھے کوئی بھی ستائیگا تو اسکو ہمیشہ قید مین رکھونگا ۔ اُمید ہے کہ ظفر حسین بھی بہت جلد تمھارا ساتھ دین ۔

"خوب گذریگی جو مل بیٹھینگے دیوانے دو"

غریب خانہ حاضر ہے حتی الامکان کوئی تکلیف نہ ہونے دونگا ۔ اچھا اب جلسہ ہونا چاہیئے کیونکہ میری تقریر سے تمھارا چہرہ زرد ہوتا جاتا ہے ۔ یہ کہکر ایک آدمی کی طرف اشارہ کیا ۔ وہ ایک چھوٹی سی میز اٹھا کر لایا اور شمیمہ کے آگے لاکے لگا دی ۔ پھر ایک ہارمونیم اُس چھوٹی میز پر رکھدیا گیا ۔

دلاور ۔ (زبیدہ سے) انسپکٹر صاحب تمھارے بہت مشتاق ہین اس طرح گاؤ کہ خوش ہوکر تمھاری خطا معاف کر دین ۔

(شمیمہ سے) ہان بھئی شمیمہ ہارمونیم اس طرح بجاؤ کہ انسپکٹر صاحب خوش ہوکر تم کو انعام دین ۔

شمیمہ نے مسکرا کر ہارمونیم بجانا شروع کیا سبحان اللہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی استاد کامل اپنا فن دکھا رہا ہے ۔ زبیدہ نے گانا شروع کیا ۔ غزل ۔

جدائی جوش آئے ہو دنیا مین آنکی کام کر جانا ۔۔۔ ستم سہنا نہ اُف کرنا تڑپنا اور مر جانا

وہ زینت کر چکے تھے تھا مناسب ہم کو مر جانا ۔۔۔ نظر کا خوف تھا لازم تھا آل صدقہ اتر جانا

ہے مرنا میرے بس مین تم ذرا آنا ٹھہر جانا ۔۔۔ سحر نزدیک ہے میت اٹھا لینا تو گھر جانا

رہیگا عشق کی دنیا مین نام اُسکا قیامت تک ۔۔۔ کہ جسنے ہجر مین مرنے کو الفت کا ثمر جانا

عجب حسرت کا منظر تھا یہ دنیا کے محبت مین ۔۔۔ نقاب انکا الٹنا اور مریض غم کا مر جانا

فدا ہو جاؤن مین اس بھولے پن کے وقت آرائش ۔۔۔ وہ عکس زلف آئینہ مین پڑنا انکا ڈر جانا

بر مکر یہ ابھی کھل جائیگا ڈرتے ہو کیون اتنا ۔۔۔ کہ تم نے ابر کو بھی کیا ہماری چشم تر جانا

زبیدہ نے کچھ اس سریلی آواز مین غزل گائی کہ ہر ایک پر بے خودی کا عالم طاری ہوگیا ۔ باوجودیکہ انسپکٹر صاحب ایک مصیبت مین گرفتار تھے مگر زبیدہ کے باقاعدہ گانے اور شمیمہ کے بے مثل ہارمونیم بجانے نے ایک عجیب اثر کیا ۔

دلاور نے کہا شاباش تہمینہ اسی طرح ہارمونیم بجاتی رہو۔ زبیدہ بس ایک غزل اور گا دو
زبیدہ نے گنگنا کر گانا شروع کیا۔

رفتہ رفتہ سوز غم سے اک زمانہ جل گیا — دل میں جو پنہاں تھا وہ بھی خون کا دریا جل گیا
باغ میں باد بہاری نے کیا الٹا اثر — آتش گل اس طرح بھڑکی کہ سبزہ جل گیا
میری مٹی میں بھی تھا سوز محبت کا اثر — خاک تربت سے جب اٹھا بگولہ جل گیا
اے سیاہ پتلی بتا روز ازل دیکھا تھا کیا — جستے پڑتے ہی نظر آنکھ کا پردہ جل گیا
دل جگر تک سے تو جلنے کی ہمیں بھی تھی خبر — پھر نہیں معلوم کیا باقی رہا کیا جل گیا
آسمان پر لکۂ ابر سیاہ ہرگز نہیں — آتش پنہاں سے زخم دل کا پھاہا جل گیا
اُف ری حدت ہر بُن مو سے نکلتا ہے دھواں — دل کی دنیا کیا جلی سارا زمانہ جل گیا
پھر بند روکے سے رکیں اے فلک آہیں ہجر میں — ان ہواؤں سے مرا نخل تمنا جل گیا

یہ غزل زبیدہ نے عجیب ہی رنگ میں گائی تہمینہ نے بھی ہارمونیم بجانے میں اپنا کمال دکھا دیا۔ دلاور نے انسپکٹر صاحب سے کہا۔

دلاور۔ اب ہم لوگ رخصت ہوتے ہیں انشاء اللہ پھر ملاقات ہوگی۔ باہر نکلنے کی کوشش مت کرنا سوائے پریشانی کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ یہ کہکر اٹھا اور کمرے میں جا کر مع اپنے ہمراہیوں کے غائب ہو گیا۔

بڑی دیر تک انسپکٹر صاحب بیٹھے رہے پھر اپنے ہمراہیوں کے اٹھے باہر نکلنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوئے آخر کار جس کمرے میں دلاور گیا تھا اسکے اندر سب لوگ پہونچے تو کمرے کے دروازے بند ہو گئے۔ اب اور پریشانی بڑھ گئی۔ دل میں سوچ رہے ہیں کہ خدایا یہاں سے کس طرح رہائی ملیگی۔ کہ سامنے والی الماری کے پٹ کھلے اور ظفر حسین نہایت پریشان حالت سے کمرے میں داخل ہوا۔

انسپکٹر صاحب دیکھتے ہی خوش ہو گئے اور کہنے لگے "ارے آپ کس طرح پہونچ گئے"
ظفر حسین۔ اس وقت گفتگو کرنے کا موقعہ نہیں آپ سب لوگ میرے ہمراہ چلے آئیں۔ سب آدمی اٹھے الماری کو کھولا تو ایک دروازہ ملا اس میں داخل ہو گئے تو ایک کوٹھری میں پہونچے وہ کوٹھری سب بوسیدہ پختہ مکان میں تھی وہاں سے نکلے تو ایک میدان میں پہونچے تازہ ہوا پا کر جان میں جان آئی سب لوگ ظفر حسین کے یہاں پہونچے تو اطمینان

ہوا۔ انسپکٹر صاحب نے کہا۔

انسپکٹر صاحب۔ ہان ظفر حسین صاحب اب بتائیے آپ فرشتۂ رحمت بنکر ہم لوگون تک کس طرح پہونچے۔

ظفر حسین۔ پہلے آپ اپنا واقعہ بیان کیجیے تو مین بھی بیان کرون۔

انسپکٹر صاحب نے زبیدہ سے ملنا اُسکی باتون سے دھوکا کھا کر دلاور تک پہونچنا ہاشمیہ کی چالبازی جلسہ کا ہونا سب تفصیل سے بیان کیا۔

ظفر حسین۔ سنیئے مین آٹھ بجے شب کو آپکے یہان گیا۔ وہان آپکو نہ پایا کوتوالی مین سب واقعہ معلوم ہوا۔ اسوقت مین بہت گھبرایا اسلیئے کہ مجھے سید ہاشمہ نے جہان ملنے کا وعدہ کیا تھا وہان پہونچا تو ایک درخت مین سرخ رومال بندھا ہوا دیکھا۔ اُسکو کھولا مگر کچھ نہ پایا۔ درخت کے نیچے ایک جگہ مٹی کھدی ہوئی تھی اُسکو ہٹایا تو ایک خط ملا (جیب سے خط نکالکر) لیجیے اسکو پڑھیے تو معلوم ہوجائیگا کہ مین آپ حضرات تک کس طرح پہونچا۔ خط انسپکٹر صاحب نے پڑھنا شروع کیا۔

ظفر حسین صاحب تسلیم

راقمہ وہی ہاشمہ ہے۔ افسوس ہے آپسے نہ مل سکی فوراً مجبور کر دلی جانا پڑا۔ انسپکٹر شیام سندر صاحب مع اپنے تین ہمراہیون کے ایک مکان مین مقید ہین وہ وہان کس طرح پہونچے یہ اُنھین سے معلوم ہوجائیگا۔ دلاور کی ہر قیامگاہ کا ایک پیچیدہ رستہ ہوتا ہے دوسرا اصل راستہ چنانچہ آپ سیدھے چلے جائیے ایک پختہ عالیشان مکان نظر آئیگا اس مکان کے جانب مشرق ایک میدان پڑا ہے جسمین ایک بوسیدہ پختہ مکان ہے اُسمین جانب شمال ایک کوٹھری ہے دیوار مین ایک الماری بغیر دروازہ کے نظر آئیگی جسمین صرف درمیان مین ایک پتھر لگا ہے اسکو پکڑ کر کھینچیگا تو اوس مقام تک پہونچ جائیگا جہان انسپکٹر صاحب ہین خط پڑھکر فوراً چاک کر ڈالیے گا۔

راقمہ ہاشمہ۔

خط پڑھکر انسپکٹر صاحب نے ظفر حسین کو دیا جو فوراً چاک کر ڈالا گیا۔

ظفر حسین۔ جب دلاور کو معلوم ہوگا کہ آپ وہان سے غائب ہوگئے تو بہت پریشان ہوگا لہٰذا اب بہت احتیاط سے کام کرنا چاہیے۔

انسپکٹر صاحب۔ کیا کہون مجھے اس طرح کے واقعات پیش ہوتے ہین کہ انسان دھوکا کھا جاے اگر ہاشمہ سے ملاقات ہوجاتی تو بہت فائدہ تھا۔ مگر خیر آیندہ سہی یہ غیبی امداد کا وسیلہ خوب نکل آیا۔

اچھا اب مین رخصت ہوتا ہون انشاء اللہ پھر ملاقات ہو گی ذرا اطمینان سے طے ہوگا کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ یہ کہکر انسپکٹر صاحب اٹھے اور کوتوالی روانہ ہو گئے۔

یان تو مین نے بیڑیان توڑین جنون کے جوش مین
اور در زندان کی وان زنجیر و شکر بے ہوئی (مصنف)

باب دوازدہم

کھینچ رہا ہی تیر اور طوفان خون دل مین ہے
ڈوبتی ہین حسرتون کی کشتیان منجدھار مین (رمز)

(افسوس)

صبح کے نو بجے ہین ظفر حسین اپنے کمرہ مین بیٹھا ہوا خیالات کی دنیا مین سیر کر رہا ہے کبھی کہتا ہے عجب مصیبت در پیش ہو۔ دلاور کیا ہے اک آفت ہے۔ خدا معلوم اسکی کتنی نرد و نگاہین ہین۔

آصف الدولہ مرحوم نے امام باڑہ آصفی مین ایک بھول بھلیان بنوائی جسکا دور دور شہرہ ہے۔ مگر دلاور کی ہر تیاری مکان ایک بھول بھلیان ہو رہی ہے۔ کچھ سمجھ مین نہین آتا کہ اسقدر مکانات اسکے قبضہ مین کیونکر آئے۔ صرف ایک وجہ سمجھ مین آتی ہے۔ اگلے زمانہ مین کچھ لوگون نے اس طرح کے مکانات بنوائے ہونگے اس نے کوشش کر کے پتہ لگایا اور اب گویا مالک بن گیا۔ سیکڑون اپنی جدتین بھی کی ہین۔ مثلاً بجلی کی روشنی وغیرہ گفتگو سے اسکی قابلیت کا پتہ چلتا ہے۔ انگریزی۔ عربی۔ فارسی۔ سنسکرت وغیرہ سب مین کامل معلوم ہوتا ہے بھول سائنس سے بھی ماہر ہے۔ کیا اچھا ہوتا اگر یہ اپنی دماغی قوتین پبلک کی بھلائی مین صرف کرتا۔ آدمی نہایت خوبصورت اور مضبوط ہے طبیعت مین آزار پسندی بھی نہین جب ملتا ہی نہایت خندہ پیشانی سے۔ اسکو گھمنڈ ہے کہ میرا کوئی کچھ بنا نہین سکتا۔ اور ایک حد تک اس کے خیالات ٹھیک ہین اگر ہاشمہ ہم لوگون سے نہ ملجاتی تو انسپکٹر صاحب کا پتہ بھی نہ چلتا کہ کہان ہین۔ معاملہ نازک ہے مگر خدا مالک ہے۔ یہ کہکر اوٹھا اور سیدھا کوتوالی روانہ ہو گیا۔

انسپکٹر صاحب۔ کہئے اسوقت کیونکر نکل آئے کوئی تدبیر سوچی۔

ظفر حسین۔ سوائے اسکے کہ ہاشمہ سے مدد مل سکتی ہو اور کوئی طریقہ نہیں۔
انسپکٹر صاحب۔ یہ تو ٹھیک ہے مگر ہاشمہ سے ملاقات کس طرح ہو۔ یہ مانا کہ وہ بہ نسبت اور عورتون کے تیز اور چالاک ہو مگر پھر بھی عورت ہے دلاور سے خوف زدہ ہو اور اوسکا ڈر بھی جاتے ہو لیکن آیندہ اسکی ذات سے کامیابی کی اُمید ہو۔
ظفر حسین۔ بیشک ہاشمہ سے بہت کچھ اُمیدین وابستہ ہین۔ مجھے ایک خیال اور آیا آپ سے بھی رائے لیتا ہون۔ چچا جان بھی دلی میں مکان میں رہتے تھے۔ اسکا معائنہ لازمی ہو ممکن ہے وہان بھی کوئی نہ کوئی ایسی چیز دستیاب ہو جاوے جس سے یہ فائدہ ہو جس طرح یہان انکے ہاتھ کا نقش ملا اسیطرح شاید وہان بھی کوئی ہو۔
انسپکٹر صاحب۔ ظفر حسین صاحب آپکا خیال بہت ٹھیک ہے ضرور بالضرور جائیے اور ایک ایک چیز وہان کی ملاحظہ فرلیئے۔ مگر نہایت احتیاط سے دلاور کو آپ جانتے ہین کس طرح نازل ہو جاتا ہے۔ کمبخت بلا کا آدمی ہے۔ یہ تو معلوم ہو گیا کہ دلاور کے گروہ مین زیادہ آدمی نہیین مگر جو بھی ہے ایک آفت کا پرکالہ ہے چھوٹے سے بڑے تک سب ایک سانچے مین ڈھلے ہین دلاور نے وہ انتظام کر رکھا ہے کہ یہان دماغی خیالات عملی پیرائے مین بھی ظاہر نہین ہوتے کہ اوسکو اطلاع ہو جاتی ہے۔ اس لئے نہایت احتیاط اور ہوشیاری سے سفر کیجئے گا۔
ظفر حسین۔ مین آج ہی پانچ بجے والی گاڑی سے روانہ ہو جاؤنگا۔
انسپکٹر صاحب۔ دلی مین اوس مکان مین اب کون رہتا ہو۔
ظفر حسین۔ حسین بخش ایک وفادار آدمی ہو ہم لوگون کو اوسپر ایک خاص اعتماد ہے۔ علاوہ اس کے دیانت دار بھی حد درجہ کا ہو اوسی کو وہان روانہ کر دیا ہے والدہ صاحبہ علیحدہ ہو گئی تھین مگر وہ بھی اُس مکان مین آگئی ہین۔ میرا ارادہ ہے کہ نورجہان کو بھی وہین پہونچا دون۔ اچھا اب مین رخصت ہوتا ہون انشاء اللہ بوقت روانگی پھر ملتا جاؤنگا۔

ظفر حسین نے گھر پر پہونچکر اپنے کمرے مین باہر کوٹ اوتار کر ٹانگا۔ گیارہ بج گئے تھے۔ بھوک معلوم ہو رہی تھی گھر مین آکر ماما سے پوچھا کھانا تیار ہے" وہ بڑبڑانے لگی۔ میان آج کچھ دیر ہو گئی۔ موئے قصائی نے بڑی دیر مین گوشت بنا کر دیا۔ ۹ بجے گھر پہونچی۔ اب گیارہ کا عمل ہے۔ لاکھ لاکھ جلدی کی مگر پھر بھی دیر ہو گئی۔ چھوٹی بیگم کو بھی بھوک لگی ہے کئی مرتبہ دریافت کر چکی ہین۔

ظفر حسین نورجہان کے کمرہ میں داخل ہوا تو نورجہان کو نہ پاکر ماما سے دریافت کیا۔ اُس نے
جواب دیا میاں ابھی ابھی تو لیٹی ہوئی پڑھ رہی تھیں۔ ایک بساطن آئی تھی اُس سے
ریشمی ربنیں اور فیتے لئے وہ میرے سامنے باہر چلی گئی۔ چھوٹی بیگم کتاب دیکھتی رہیں پھر کمرے میں
آکر ربنیں اور فیتے دکھا کر لے لیجئے یہ سودا اس سے خریدا تھا۔ چھوٹی بیگم چھوٹی بیگم کہکر
چلائی۔ مگر سوائے آواز بازگشت کے کوئی جواب نہ ملا۔ ظفر حسین کی عجب حالت ہوگئی۔ آنکھوں
کے نیچے اندھیرا چھا گیا۔ ماما سے دریافت کیا بساطن کا حلیہ کیا تھا۔ موٹی تھی یا دبلی۔ قد کتنا تھا
عمر کیا ہوگی۔ اکیلی تھی یا اس کے ساتھ اور بھی کوئی تھا۔ کتنی دیر بیٹھی تھی۔ کیا باتیں کر رہی تھی۔
ماما ان سوالوں کی بھرمار سے گھبرا کر کہنے لگی "میاں مجھے یاد نہیں آپ نے کیا کیا پوچھا
ایک ایک بات دریافت کیجئے تو بتاؤں۔ علاوہ اسکے میں بخت تو کھانا پکا رہی تھی آج
دیر ہو جانے کی وجہ سے اور بھی پریشان تھی۔ بس اتنا جانتی ہوں۔ وہ لمبے قد کی عورت
تھی۔ کوئی پچیس برس کی عمر ہوگی۔ سانولا رنگ تھا۔ ماتھے پر ایک مسّا اسقدر بڑا تھا کہ مجھکو
باورچی خانہ سے اچھی طرح دکھائی دیتا تھا۔ جو باتیں ہوئیں اسکو قطعی خبر نہیں آپ جانتے ہیں
میں اونچا سنتی ہوں۔ علاج بھی کیا مگر مرض دور نہ ہوا۔ میں خود حیران ہوں کہ چھوٹی بیگم
کہاں غائب ہوگئیں۔ یہ کہکر رونے لگی۔ ہے ہے میری چھوٹی بیگم۔ ظفر حسین کو کچھ شبہ ہوا مختلف
سوالات کئے۔ چہرہ کو نہایت غور سے دیکھتا رہا۔ مگر کوئی ایسی بات نہ معلوم ہوئی کہ جس سے
یقین کر لیا جاتا کہ ماما کی بھی اسمیں سازش ہے۔

نورجہان کی ماں کمرہ میں بخار میں پڑی ہوئی تھیں انکو خبر بھی نہ ہوئی کہ کیا ہوا۔ جب
ظفر حسین نے اُن سے کہا تو چیخیں مار مار کر رونے لگیں۔ ظفر حسین سے بھی ضبط نہ ہو سکا۔
باہر آکر پلنگ پر لیٹ رہا۔ پڑے پڑے خیال اس نے نقش بندی کرنا شروع کی۔ "غضب ہوگیا۔
اب نورجہان کی رہائی مشکل ہے یہ عورت خدا معلوم کون تھی (کچھ غور کرکے) ہاں یاد آیا یہ کیا
زبیدہ مکارہ ہے۔ انسپکٹر صاحب کہتے تھے کہ اسکے ماتھے پر ایک سیاہ مسّا ہے۔ والد نے
انسپکٹر صاحب کو قید کیا تھا میں باشمہ کی مدد سے نکال لایا۔ اب معلوم ہوا ہوگا اس کو مجھسے
بہت بد ظن ہوگیا ہے جسکا بدلہ یہ لیا کہ نورجہاں کو پھر غائب کرا لیا۔ افسوس کیا سوچا تھا اور
کیا ہوگیا ستارہ ہی گردش میں ہے کچھ کامیابی کی امید ہو چلی تھی تو یہ کم بخت ٹوٹ پڑا۔ اب
والدہ نورجہان کو نہایت حفاظت سے رکھنے کا [illegible] چنانچہ انسپکٹر صاحب

سے کل واقعہ بیان کروں۔ اٹھکر کپڑے پہنکر سیدھا کوتوالی پہونچا انسپکٹر صاحب نے گھبرایا ہوا دیکھکر سبب دریافت کیا۔ ظفر حسین نے کل واقعہ بیان کر دیا۔

انسپکٹر صاحب۔ آپ کہتے ہیں ماما کا بیان ہے کہ لیلا طوطا میرے سامنے باہر گئی اور پھر نورجہاں کتاب پڑھنے لگیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ پھر کس طرح غائب ہو گئیں۔

ظفر حسین۔ جی ہاں ماما کہتی ہے میرے سامنے لیلا طوطا باہر گئی اسکے ہمراہ بھی کوئی نہ تھا۔

انسپکٹر صاحب۔ معاملہ بہت پیچیدہ ہے قدم قدم پر مصیبت کا سامنا ہے۔ دلاور نے تو اسقدر پریشان کیا ہے کہ خدا کی پناہ۔ مگر ظفر حسین صاحب اب جو کچھ بھی ہو کارروائی برابر جاری رکھنا چاہیئے۔ میں جانتا ہوں آپکو بڑا صدمہ ہوا ہوگا۔

ظفر حسین۔ مجھکو اپنا خیال بالکل نہیں۔ مگر کیا کروں نورجہاں کے یکایک پھر غائب ہو جانے کے سبب میرے حواس قائم نہیں رہے۔ مگر آپ اطمینان رکھیں انشاءاللہ آپ مجھکو ثابت قدم پائیے گا۔ اب جو کچھ بھی ہو میں اپنا کام برابر جاری رکھونگا۔

انسپکٹر صاحب نے ظفر حسین کی ہمت پر سچے دل سے تحسین و آفرین کی۔

۹ بج گئے تھے ظفر حسین اسٹیشن روانہ ہو گیا۔ دہلی جانے والی گاڑی تیار کھڑی تھی ٹکٹ لیکر بیٹھ گیا۔ شاہجہانپور کے اسٹیشن پر اوتر کر ٹہلنا شروع کیا گاڑی چھوٹنے کو تھی بیٹھنے کا ارادہ کیا کہ ایک درجہ میں شمیم سبز سایہ پہنے دکھائی دی دیکھتے ہی جان نکل گئی۔ یہ آفت کہاں نازل ہو گئی۔ اسے دہلی جانا ٹھیک نہیں۔ ورنہ یہ زہر کی پڑیا خدا معلوم کیا آفت ڈھائے۔ ہر وقت کوئی نہ کوئی سایہ کی طرح پیچھے لگا رہتا ہے۔ بہتر ہے کہ لکھنؤ واپس جاؤں۔ ورنہ خیریت نہیں گاڑی روانہ ہو گئی دہلی سے آنیوالی گاڑی میں بیٹھکر لکھنؤ پہونچا۔ سیدھا کوتوالی گیا۔ انسپکٹر صاحب سے سب واقعہ بیان کیا۔

انسپکٹر صاحب۔ آپ نے بہت اچھا کیا کہ واپس چلے آئے

بہت دیر اسی کے متعلق گفتگو ہوا کی پھر دونوں آدمی اٹھے بغرض تفریح ٹہلتے ہوئے گومتی کی طرف چلے۔ پہنچے پل کے قریب ایک موٹر کھڑی ہوئی تھی غور سے دیکھا تو تین آدمی اسمیں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایک عورت دہنی جانب اور بائیں جانب ایک آدمی اور درمیان میں ایک لڑکی ہے۔ جب قریب پہونچے تو لڑکی کو پہچانا کہ شمیم ہے وہی سبز سایہ پہنے ہوئے ہاتھ میں ریشم کا غبارہ لیے ہوا میں اڑا رہی ہے۔ ان لوگوں کی نظر ان دونوں پر پڑی موٹر آندھی کی طرح

روانہ ہوگئی اور بات کی بات میں آنکھوں سے اوجھل ہوگئی۔ ظفر حسین اور انسپکٹر صاحب حیران کہ یہ کیا معاملہ ہے نعیمہ تو شاہجہانپور کے اسٹیشن پر دہلی جانیوالی گاڑی میں دکھائی دی تھی۔ کیا کوئی دوسری نعیمہ بھی پیدا ہوگئی۔ دونوں آدمی اوس جگہ جہاں موٹر کھڑی تھی دیکھا ایک کاغذ پنسل سے لکھا ہوا پڑا ہے۔ ظفر حسین نے پڑھنا شروع کیا۔

ظفر حسین صاحب۔ تسلیم۔ بہتر ہوا کہ آپنے دہلی کا سفر ملتوی رکھا نعیمہ اور ماموں جان (زاہد) آپکے ہم سفر تھے جب اونکو معلوم ہوا کہ آپ نے نعیمہ کو دیکھ لیا اور ٹرین پر بھی نہ بیٹھے تو یہ لوگ بھی دوسری طرف سے اوتر گئے اور پوشیدہ رہے جس گاڑی پر آپ لکھنؤ آئے اوسپر یہ بھی واپس آگئے۔ آپ نور جہان سے اطمینان رکھئے جبتک میرے دم میں دم ہے اون کو کوئی تکلیف نہ ہوگی جس صورت میں ممانی جان (زبیدہ) آپکے وہان پہونچین وہ ظاہر ہے۔ فینسے اور لیمپ بھیجکر ماما کو دکھانے کی غرض سے باہر نکل آئین ماما کھانا پکانے میں مصروف تھی یہ پھر اسکی آنکھ بچاکر پہونچین۔ نور جہان کے چہرے کے سامنے کتاب تھی لیٹی ہوئی پڑھ رہی تھین کمرہ مین داخل ہوئین کمرہ کا صرف درمیانی دروازہ کھلا تھا اوسکو بھی بند کیا اور ایک پستول لیکر سامنے کھڑی ہوگئین نور جہان دل کی بہت نازک ہین دیکھکر ڈر گئین عجب حالت ہوگئی دو ایک آوازین آہستہ آہستہ ماما کو دین وہ کانون سے بہری اسنے بالکل نہ سنا۔ ادھر یہ خوف کے مارے بیہوش ہوگئین اتنے میں ماما لوٹا لیکر صحنچی مین پانی لینے لگی۔ ممانی جان نور جہان کو لیکر باہر آئین وہان موٹر کھڑی تھی۔ اسپر بیٹھکر روانہ ہوگئین اونکا پتہ بتانا اندیشے سے خالی نہین صرف اتنا بتائے دیتی ہون کہ وہ لکھنؤ مین ہین مین نے اُنپر اپنا راز ظاہر کردیا ہے۔ مگر اسپر بھی وہ بہت پریشان ہین۔ دلاور کی چالبازی سے آپ بہت ہوشیار رہیئے گا فقط

راقمہ

ہاشمہ

انسپکٹر صاحب۔ خدا ہاشمہ کو بچائے رکھے اگر دلاور کو معلوم ہوگیا تو حیرت نہین فوراً خط جلا ڈالا گیا۔ دونون آدمیوں نے آہستہ آہستہ گفتگو کی اور پھر ایک دوسرے سے علیحدہ ہوکر روانہ ہوگئے۔

ظفر حسین صاحب نے اپنے گھر کا رستہ لیا اور انسپکٹر صاحب کوتوالی چلے گئے۔

ظفر حسین نے زنانہ لباس پہنا برقعہ اوڑھا بند گاڑی مین بیٹھکر چار باغ پہونچا ٹکٹ لیکر دہلی روانہ ہوگیا۔ وہان پہونچکر بھی بند گاڑی کرایہ کی کرکے گھر پہونچا رات پھر جانے کی وجہ سے

دن کو سوتا رہا پانچ بجے آنکھ کھلی حمام کیا قریب سات بجے شب کو ایک لیمپ روشن کر کے سوداگر
صاحب کے باہر والے نشست کے کمرہ مین پہونچا۔ یہان کتابون کی الماریان تھین۔ متعدد
صندوق تھے۔ سچی چینی کے برتنون کی کثرت تھی سیکڑون قسم کی قلمی کتابین تھین۔ دیوان مخفی۔
دیوان فردوسی۔ دیوان حافظ۔ دیوان انوری وغیرہ وغیرہ نہایت خوش خط لکھے ہوئے تھے
تاریخ عرب۔ تاریخ اسپین۔ تاریخ چین وغیرہ وغیرہ خاص بادشاہ اورنگ زیب کے ہاتھ کا لکھا
ہوا قرآن مجید بھی تھا۔ غرضکہ سیکڑون قسم کی قلمی کتابین تھین۔ ہر کتاب کے ورق الٹ پلٹ کر
دیکھے جاتے اور پھر علیحدہ رکھدیجاتی۔ ۱۱ بجے ۱۲ بجے ایک بجے تک کمرہ کی ہر چیز سوائے الماری کے
دیکھ ڈالی گئی۔ اب وہ بھی الماری کھولی گئی۔ اسمین مختلف قسم کی پرانی ایرانی قلمی تصاویر تھین
جو دیکھکر رکھدی گئین۔ ایک سرخ کرنٹ کا بستہ ملا اوسکو کھولا تو کچھ حساب کے کاغذات تھے اونکو
بھی دیکھکر رکھدیا۔ ایک بڑا لفافہ ملا اوسکو کھولا تو ایک اور چھوٹا لفافہ تھا اوسکو کھولا تو ایک کاغذ تہ کیا
ہوا ڈور سے بندھا ہوا ملا اولمین کہنے لگا یا الٰہی یہ مداری کا ڈبہ ہوگیا۔ کہ ایک کے اندر سے دوسرا پیدا
ہوتا جاتا ہے۔ ڈور کو کھولا تو سوداگر صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک نوشتہ فوراً اٹھا کر دیکھا تو آخر مین
ایک نقش بنا ہوا نظر آیا جو لکھنؤ مین دستیاب ہوا تھا میز کے قریب کرسی پر بیٹھکر پڑھنا شروع کیا۔
لیمپ کی روشنی ضرورت سے زیادہ تیز کر دی گئی لکھا تھا۔
واضح ہو کہ مدت سے مجھکو کتب بینی کا شوق تھا سیکڑون قلمی کتابین دیکھ ڈالین۔ اتفاق سے
۲۴ر اکتوبر سنہ [illegible]ء کو ایک کتاب پڑھنے کا اتفاق ہوا اوسکے شروع کے چند ورق ضائع ہو گئے تھے
ایک صندوق مین نے نیکالن کے یہان سے نیلام مین لیا تھا اوسمین کچھ پھٹی ہوئی کتابین کچھ پرانے
کپڑے۔ پانچ چھ ٹوٹے ہوئے قلمدان کچھ خالی عینکون کے خانے۔ کچھ چھتری کی تیلیان غرضکہ
اسی کا اور فضول سامان تھا۔ مین نے یہ سب چیزین ردی کوٹھی مین اور یہ کتاب اپنے ہمراہ لیکر دلی
چلا آیا۔ ۲۷ر اکتوبر سنہ [illegible]ء کو رات کے وقت اس کتاب کے پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ کتب بینی کا
شوق اسقدر تھا کہ کتاب کسی مضمون کی کیون نہ ہو مین کوئی صفحہ بھی بغیر پڑھے نہ چھوڑتا تھا۔ کتاب
دیکھتے دیکھتے تین بج گئے ایک صفحہ پر جلی حرفون مین لکھا تھا۔ طلسمی برج۔ جب اچھی طرح پڑھ چکا
اور ہر بات سمجھ مین آگئی تو یہ نوشتہ اپنے الفاظ مین مختصر کر کے لکھا اسلئے کہ مین لکھنؤ طلسمی برج
کی تلاش مین جاتا ہون زندگی کا کیا اعتبار ممکن ہے کہ قبل اس کے کہ مین اوس کو تلاش کرون
موت آجائے تو کسی دوسرے کو کیون محروم رکھون۔ حسب ذیل نقش سے طلسمی برج کا پتہ

پھل سکتا ہے:

نقش

۲۰۰	۵۰	۳	
	۵۰	۲۰	۲۰۰
		۱۰	۴۰۰
۱۴۹	۱۲۱	۴۴۵-۲۴۵	۳

۲۰۳-۲۳۷ | ۳ + ل ــــ ۲ + ل | ۴۳۴

نقش کی پہلی سطر کے خانون مین ۲۰۰ - ۵۰ - اور ۳ - ہندسے لکھے ہین جو لحاظ ابجد ر - ن - اور ج کے حروف ہوئے ملا کر پڑھنے سے لفظ (رنج) بنا

اس سطر کے بعد دوسری سطر کو اس سے کوئی تعلق نہین بلکہ تیسری سطر کے ہندسے جو کہ ۱۰ اور ۴۰۰ ہین انسے حروف (ی اور ت) ملکر (یت) بنا اب اگر پہلی سطر کے لفظ کو اس سے ملا کر پڑھا جائے تو (رنجیت) بنتا ہے۔

دوسری سطر مین ۵۰ - ۲۰ - اور ۲۰۰ - ہین یعنے ن - گ - اور - ر - جن سے صاف لفظ (نگر) بنتا ہے۔

اب پہلی دوسری اور تیسری سطرون کے الفاظ کو ملا کر پڑھا جائے تو (رنجیت نگر) ہوتا ہے

اب رہی نقش کی چوتھی سطر پہلے خانہ کے ۱۴۹ سے لفظ طلسمی بنا۔

دوسرے سے حرف - ب - تیسرے سے حرف - ر - اور چوتھے سے حرف - ج پہلے خانہ کے لفظ طلسمی اور باقی تینون خانون کے حرفون سے ملکر لفظ برج بنا۔

یہ بات تو معلوم ہوگئی کہ طلسمی برج کا خزانہ لکھنؤ مین کوئی مقام رنجیت نگر ہے وہان ہے۔

نیچے کے ہندسون اور نشانات سے اسکا رستہ معلوم . . . .

نفر جبین نے یہین تک پڑھا تھا لیمپ کی چمنی چٹخی اور اتنے زور سے ٹوٹی کہ میز کے نیچے گر پڑی

ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا۔ اور لمپ گل ہوگیا۔ برسات کی اندھیری رات یکایک روشنی سے اندھیرا جو ہوگیا تو بیچارہ کی پریشانی بڑھ گئی جلدی سے کاغذ میز پر رکھکر کوٹ کی طرف بڑھا کہ جیب سے برقی لیمپ نکالوں اندھیرے کی وجہ سے ایک کرسی سے ٹکر کھائی۔ زمین پر گر پڑا گھٹنا چھل گیا سہو اور ناک میں سخت چوٹ آئی کچھ خون بھی نکلا مطلق پروانہ کی جلدی سے اٹھکر بغیر کپڑوں سے مٹی جھاڑے ہوئے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا تو برقی لیمپ ندارد۔ پریشانی اور زیادہ ہوگئی جلدی سے دیاسلائی جلا کر بغیر چمنی کا لمپ روشن کیا دروازہ بند کیا کہ ہوا نہ آئے جلدی سے بیٹھکر کاغذ اٹھایا تو بجائے اُسکے دوسرا پرچہ پایا پڑا ہوا تو لکھا ہوا تھا۔

مسٹر ظفر۔ دماغ پریشان کرنے سے کیا فائدہ۔ رات زیادہ آئی اب سو رہو باقی آیندہ پڑھ لینا یا اگر زیادہ خواہش ہے تو مجھسے ملکر دریافت کرو۔ پڑھکر عجب حالت ہوگئی بجائے رنج و افسوس کے جسم خوف سے کانپنے لگا۔ دلمیں کہا۔ والا کبھی انسان نہیں یہ ضرور کوئی جن انسانی بھیس میں ہے ورنہ اسوقت وہ یہاں کہاں پھر کچھ خیال آیا کمرہ کا دروازہ کھولکر باہر پہونچا۔ تو دیکھا ایک لڑکی تیزی سے بھاگی جا رہی ہے۔ یہ بھی لنگڑاتا ہوا حتیٰ الامکان تیزی سے اُسکے پیچھے دوڑا۔ لڑکی ایک مکان میں گھس گئی۔ یہ بھی اس مکان میں داخل ہوا ایک کمرہ میں گئی یہ بھی اُسکے پیچھے پہونچا کمرہ میں پہونچکر ایک لکڑی کا گھوڑا ہوا زینہ بنا تھا اوپر لڑکی چڑھ گئی ظفر حسین کو کچھ خیال نہ تھا آخر کار دوڑ کر سیڑھیاں باقی تھیں کہ لڑکی کو پکڑ لیا۔ دیکھا تو شمیمہ ہے بیچاری سہم گئی مگر ہاتھ میں جو کاغذ تھا جلدی سے اُسکو سایہ کی جیب میں رکھ لیا اور کہنے لگی۔

شمیمہ۔ یہ آپ میرے پیچھے کیوں دوڑے لیجئے اپنا برقی لیمپ لے لیجئے اور روشنی کرکے دیدیا پھر کہنے لگی اتنی سی چیز کے لئے بیتاب ہوگئے دوڑے چلے آئے مجھکو دل لگی سوجھی تھی ورنہ میرے یہاں خود ایسے متعدد لمپ پڑے ہوئے ہیں۔

ظفر حسین۔ لاؤ وہ کاغذ دو ورنہ خیر نہیں۔

شمیمہ۔ ٹھہر جائیے ستا لیجئے حواس ٹھیک ہو جائیں تو دیدوں ورنہ آپ پھر ضایع کر دیجئیگا۔ میں یہ سمجھی تھی آپ دھوکا کھا گئے مگر آپ بڑے سیانے ہیں۔

ظفر حسین۔ جلدی کاغذ دو ورنہ تمھارا گلا گھونٹ کر زبردستی نکال لونگا۔

شمیمہ۔ ہے ہے آپکو بچپن میں بھی نہیں آتا چھوٹی سی لڑکی سے لڑنے کو تیار ہوگئے میں اس کاغذ کی ناؤ کو بنا دونگی۔ حوض میں تیرا دونگی۔ اس کاغذ کو آپ نہ لیجئے آپکے بالکل بیکار ہے۔

فقط دو نگی تھی اور ٹھالائی آپ سمجھتے ہیں میں کوئی نوٹ لیکر بھاگ آئی آپ کے قدموں کی قسم نوٹ نہیں ہے۔

ظفر حسین نے زبردستی نکالنا چاہا شمیمہ مچل گئی اور کہنے لگی چاہے مار ڈالئے میں نہ دونگی ہاں ایک شرط سے دینے کو تیار ہوں۔

ظفر حسین۔ بتاؤ وہ شرط کیا ہے شمیمہ تم بڑی پاجی لڑکی ہو۔ میں حیران ہوں تم نو مہینہ ماں کے پیٹ میں کس طرح رہیں۔

شمیمہ۔ بھئی اللہ کی قسم سچ بتائیے آپ کو یہ کیونکر معلوم ہوگیا ماموں جان کہتے تھے میں سات مہینہ پیدا ہوئی اس لئے ستواسی ہوں۔ میں خیال کرتی تھی ماموں جان مجھسے دل لگی کرتے ہیں سب لوگ ساتویں ہی مہینے پیدا ہوتے ہیں۔ مگر آج معلوم ہوگیا وہ ٹھیک کہتے ہیں۔ اب سچ سچ بتا دیجئے کیا آپ آٹھویں مہینہ پیدا ہوئے یا نہیں۔

ظفر حسین۔ زیادہ باتیں نہ بناؤ وہ شرط جلدی سے بتاؤ۔

شمیمہ۔ بھئی آپ بڑے سخت آدمی ہیں۔ اچھا شرط یہ ہو کاغذ دینے کے بعد آپ کچھ ناراض نہ ہونگے اور مجھ کو کچھ سزا نہ دینگے۔

ظفر حسین۔ ہاں میں کچھ ناراض نہ ہونگا۔

شمیمہ۔ میں یوں یقین نہیں کرسکتی۔ آپ نور جہاں بیگم سے زیادہ کسی کو عزیز نہیں رکھتے بس انہی کے سر کی قسم کھائیے۔

ظفر حسین نے خیال کیا لڑکی ضدی ہے یوں کاغذ نہ دیگی شاید ڈرتی ہو کہ میں ماردونگا یہ سوچکر کہا۔ اچھا میں نور جہاں کے سر کی قسم کھاتا ہوں یہ کاغذ جو تم نے ابھی جیب میں رکھ لیا ہے دیدوگی تو بجائے ناراض ہونے کے تم سے خوش ہونگا۔

شمیمہ۔ اب مجھکو یقین آگیا ایک مرتبہ اپنے الفاظ اور دوہرا دیجئے تاکہ اچھی طرح مجھکو یقین آجائے۔

ظفر حسین نے جلدی میں پھر وہی الفاظ دوہرائے۔

شمیمہ۔ تو پھر اپنے ہاتھ ہی سے نکال لیجئے۔ گر میرا سایہ نہ چھٹنے پائے نہیں تو ماموں جان مجھکو ماریں گے۔

ظفر حسین نے جلدی سے جیب میں ہاتھ ڈال کے کاغذ نکالا بتی لمپ کی روشنی بھی دیکھا

کاغذ پر ایک مچھلی بنی ہوئی ہے ایک طرف مکڑی بنی ہوئی ہے اسی طرح دوسرے کپڑے کو ڈوریں رنگین پنسل سے کھینچی ہوئی ہیں۔ ظفر حسین کو دیکھکر سکتا سا ہوگیا۔ شمیمہ اچک اچک کر تالیاں بجا کر ہنسنے لگی۔

آپ تو قسم کھا چکے تھے میں خفا نہ ہونگا بلکہ اور خوش ہونگا یہ آپ نے رونا منھ کیوں بنالیا میں آپ سے پہلے ہی کہہ چکی تھی کہ یہ کاغذ آپ کے بیکار ہے میں اوسکی ناؤ بناؤنگی پہلے تو ڈر تھا کہ آپ مجھے مارتے بھی خفا بھی ہوتے۔ مگر اب تو آپ نور جہاں بیگم کے سر کی قسم کھا چکے ہیں۔

واقعی امر یہ ہے اگر ظفر حسین کو قسم کا خیال نہ ہوتا تو غصہ کی حالت میں بغیر سوچے سمجھے شمیمہ کا گلا گھونٹ ڈالتا۔ بڑے غیض و غضب میں کھڑا ہوا شمیمہ کو اچھلتے ہوئے دیکھ رہا ہے کہ پاؤں کی چاپ معلوم ہوئی نظر اٹھا کر دیکھا تو دلاور مسکراتا ہوا چلا آرہا ہے۔ ہاتھ پکڑ کر ظفر حسین کو ایک کمرہ میں لے گیا اور کہنے لگا۔ کیوں لڑکی پر غصہ کرتے ہو اسکی کیا خطا۔

کمرہ ہر طرح کے ساز و سامان سے سجا ہوا تھا ایک جانب چھوٹی سی چوکی بچھی ہوئی تھی۔ اوسپر ایک گرم پانی کا لوٹا رکھا ہوا تھا۔ چوکی کے نیچے چاندی کا تسلہ لگا ہوا تھا ظفر حسین کو لیجا کر وہیں کھڑا کر دیا۔ اور کہنے لگا پہلے اپنا منھ دہو ڈالو۔ دیکھو سب خون بھرا ہے۔ کمرے میں بڑی تیزی سے اٹھے تھے تم بڑوں کا کہنا بھی نہیں مانتے صاحبزادے جو دوڑیگا وہ گریگا ضرور کیوں اتنی تیزی کی تھی۔

ابھی تک کچھ خیال نہ کیا تھا ظفر حسین نے غور سے جو دیکھا تو واقعی سب قمیص خون میں تر ہے ہونٹ سے الگ خون جاری۔ ماتھا بھی چھل گیا ہے گھٹنہ الگ زخمی ہوگیا۔ بیچارہ اپنی حماقت پر افسوس کر رہا تھا۔ مگر پھر کیا کرتا بیٹھکر منھ دہویا۔ اب زخموں میں ٹیس ہونے لگی۔

دلاور نے ہاتھ پکڑ کر ایک آرام کرسی پر لٹا دیا۔ ظفر حسین نے غصہ کے مارے ایک لفظ بھی زبان سے نہ کہا۔

دلاور۔ سنو تم لکھنؤ سے بہت ہوشیاری سے دہلی پہونچے میں نے دریافت کیا تو تم کو لکھنؤ میں نہ پایا خیال دوڑا کے دوڑتے دہلی میں تم کو پکڑا اور بھی دو بجے رات کو فوراً معہ شمیمہ کے تمہارے پاس پہونچا دروازہ کھلا تھا تم طلسمی برج کی سیر کر رہے تھے۔ خوشی میں تمہارے منھ سے

یہ الفاظ نکل رہے تھے۔ رنجیت نگر طلسمی برج . . . .
میں نے یقین کر لیا ابھی تک تم نیم حکیم خطرۂ جان کی طرح ہو۔ مطلب یہ ہے کہ تم کو یہ ہرگز نہیں
معلوم ہو سکتا کہ لکھنؤ میں رنجیت نگر کہاں ہے تم سے سچ کہتا ہوں کہ میں خود رنجیت نگر کی تلاش
میں مدتوں سرگردان پھرا ہوں اسکے بعد کہیں پتہ چلا کہ رنجیت نگر کہاں ہے۔ تو جب میں تم تک
پہونچا تو تم نے یہیں تک پڑھا تھا رنجیت نگر طلسمی برج میرے ہاتھ میں ایک ڈھیلا تھا چمنی پر
نشانہ ٹھیک پڑا وہ ٹوٹ کر نیچے گر پڑی تم پڑھنے میں اسقدر مدہوش تھے یہ بھی خیال کیا کہ اگر چمنی
چٹخی تو دو ٹکڑے ہو کے نیچے کس طرح گر پڑی۔ علاوہ اسکے ڈھیلے کی بھی آواز نہ سنی۔ میں اچھی طرح
جانتا تھا تم ذہین ہو مگر اسوقت بچوں کی طرح دہوکا کھا جاؤگے۔ کیونکہ تمھارے وہم و گمان میں
بھی نہ ہوگا کہ دلاور یہاں موجود ہے اس لئے اطمینان سے میں نے یہ حرکت کی دل لگی کی دل لگی
ہوگئی اور کام بھی نکل گیا۔ تم ایسا گھبرائے کہ کرسی توڑی ہوتی وہ تو کہو شیشم کی لکڑی تھی ورنہ
اسکا الگ نقصان ہوتا ادھر تم گرے میں نے اطمینان سے کاغذ اٹھایا اور لیکر چلتا ہوا
شمیم کو دل لگی سوجھی اس نے تمھارا برقی لیمپ جیب سے نکال لیا باہر ایک کاغذ پڑا ہوا تھا اسکو
اٹھا کر بھاگی۔ تم نے اسکا تعاقب کیا اور آخر کار یہاں پہونچکر پکڑا۔ چونکہ تم نے اسکو دوڑایا
اسلئے اس نے بھی تم کو پریشان کیا۔ بھلا اس سے بگڑنے کی کیا وجہ۔ تمھارا چہرہ کیوں فق ہو رہا
ہے۔ اگر جوش زیادہ آگیا ہے تو ڈاکٹر بلا دیا جائے۔ خیر اب صبح کو دیکھا جائیگا۔ خدا معلوم
کس منحوس کی صورت دیکھکر آج اٹھے تھے۔ اطمینان رکھو آئندہ سے وہ صورت اب نہ دکھائی
دیگی۔ تم میرے ہی ساتھ رہا کرو۔ روزانہ ایک آئینہ سرہانے رکھکر سویا کرو ادھر آنکھ کھلی آئینہ
لیکر اپنی صورت دیکھ لی۔ کیوں یہ اچھی ترکیب ہے نا۔ اگر وطن میں مہمان رہنا چاہتے ہو
تو اس مکان میں رہو اگر لکھنؤ میں قیام کرنا پسند کرتے ہو تو طلسمی برج کے قریب میری ایک کوٹھی
ہے وہیں رہو۔ اور اگر آگرہ جانا چاہتے ہو تو وہاں روانہ کردوں۔ مگر نہیں وہاں پاگلخانہ
ہے اور تم ماشاء اللہ سے نہایت ذہین اور اچھے دماغ کے جوان ہو۔ بس فقط بچوں کی طرح
طبیعت ضدی ہے

خیر صبح کو خوب سوچکر بتانا جہاں کہوگے وہیں روانہ کردونگا۔

ظفر حسین میں نہایت صاف طینت آدمی ہوں جو بات میری سمجھ میں نہیں آتی اسکو چھپاتا
نہیں ابھی تک میں نہ سمجھا کہ انسپکٹر صاحب کو تم نے بستر سے اٹھا کے کس طرح نکال لیا ہے۔

پھر مجھکو اسکے دریافت کرنے کا کوئی حق نہیں تم نہ بتاؤ مین خود کوشش کرونگا۔
ظفر حسین۔ دلاور صرف دو ایک ہفتے تمہاری آزادی کے اور رہگئے ہین جو جی چاہے کر لو۔

بھڑکتا ہی چراغ صبح جب خاموش ہوتا ہی

تم بھی حد سے زیادہ بڑھ گئے ہو تم نے مجھ کو ہمیشہ کے لئے اپنی قید مین رکھنے کا قصد کیا ہے مگر یاد رکھو مین یہان سے اس طرح نکل جاؤنگا جس طرح ایک پھول کی خوشبو صحن باغ سے نکلجاتی ہے تم لاکھ تدبیر کرو۔ مگر مجھکو قید نہین رکھ سکتے جاؤ مجھکو اطمینان سے آرام کرنے دو۔
دلاور حسین۔ واقعی ظفر حسین تم بڑے مستقل مزاج ہو بجز اتمھاری چند باتون کو خیال کر کے تم کو چھوڑ دیتا ہون اب یہ بتاؤ کہ انسپکٹر صاحب کو تم پکڑ لائے تھے تم کو کون رہائی دلوائیگا۔
ظفر حسین۔ تم انسپکٹر صاحب کو کیا خیال کرتے ہو وہ مجھ سے بہت زیادہ تجربہ کار ہین آئینگے مجھکو چھڑا کر لیجائینگے۔
دلاور۔ آج تم نے نورجہان کی بابت کچھ دریافت نہ کیا اُنکو کس طرح سے رہائی ملیگی۔
ظفر حسین۔ مجھے اطمینان ہو جب جاہونگا اُنکو بھی لیجاؤنگا۔
دلاور (قہقہہ لگا کر) واہ بھئی واہ آج تو بڑے مزہ کی باتین کر رہے ہو یہ کہکر اُٹھا اور کمرہ کے باہر چلا گیا۔ دروازے بند ہوگئے ظفر حسین کی بھی تھوڑی دیر کے بعد آنکھ لگ گئی۔

بیہوش تازگی ہی ہے پژمردگی ضرور
فصل خزان کی شاخ لگی ہے بہار مین
(مصنف)

باب سیزدہم

تا دیر آنسوؤن کا تصور رہا جو آج
تار نگاہ مین کوئی موتی پرو گیا
(مصنف)

رنجیت نگر

ظفر حسین کو دہلی آئے ہوئے تین رات گذر چکے ہین۔ انسپکٹر شیام سندر صاحب بہت پریشان دل مین سوچ رہے ہین خدا معلوم کونسی آفت آگئی۔ اگر کوئی اور کام درپیش ہوتا تو مجھ کو ضرور

اطلاع دیتے۔ یقینی کہیں پھنس گئے۔ یہ سوچکر اُٹھے کو توالی سے نکلکر تانگہ پہ بیٹھکر چار بانچ ہو پہنچے وہان سے دہلی روانہ ہوگئے۔ دہلی پہونچکر ظفر حسین کے یہان آئے حسین بخش سے پوچھا ظفر حسین کہان ہین۔

حسین بخش۔ میان اونکا کہین پتہ نہین پرسون آئے تھے سوداگر صاحب کے کمرہ کی چیزون کا معائنہ کرتے رہے۔ مین ڈیوڑھی مین تھا قریب دو بجے شب کو میری آنکھ کھلی تو دیکھا اسی طرح چیزین دیکھ رہے ہین مین نے کہا بھی کہ آپ کیون پریشان ہوتے ہین رات زیادہ گئی ہے آرام فرمایئے جو کچھ تلاش کرنا ہے صبح کو دیکھ لیجیے گا۔ خدا معلوم انہی نے میرا کہنا سنا بھی کہ نہین کیونکہ میری بات کا کوئی جواب نہ دیا مین سو گیا۔ صبح اٹھکر دیکھا تو کمرے مین نہ تھے ایک کرسی الٹی پڑی ہوئی تھی چیزین تتر بتر تھین زمین پر دو ایک قطرے خون کے بھی نظر پڑے خیال کیا کہ شاید دشمنون نے اونکا بھی خاتمہ کر دیا انکی والدہ کو معلوم ہوا انھون نے روتے روتے عجب حال بنا رکھا ہے۔

انسپکٹر صاحب۔ اون سے کہدینا کہ آپ پریشان نہ ہون وہ ایک کام سے چلے گئے ہین شاید آج ہی آجائین۔

حسین بخش نے اندر کہلا بھیجا ظفر حسین کی والدہ کو اطمینان ہوا انسپکٹر صاحب کمرے مین بیٹھے ہوئے سوچ رہے ہین ظفر حسین کا پتہ لگانا ضروری ہے ورنہ بڑی بدنامی ہوگی ہر جگہ یہی تذکرے ہوا کرتے ہین کہ دیکھیے اب کیا ہوتا ہے۔ اخبار کے ایڈیٹرون کو خدا معلوم کیا ہو گیا ہے مضامین پر مضامین لکھتے چلے جاتے ہین کہ اتنا عرصہ گذر گیا دلاور کو پولس نے گرفتار نہین کیا۔ قلم اٹھا کر لکھدینے کے سوا اتنا بھی نہین خیال کرتے کہ دلاور ہے کیا چیز اوسکو گرفتار کر لینا کیا آسان امر ہے میرا تو خیال ہے بڑی سے بڑی فوج کا شکست دینا آسان ہے مگر دلاور کا مقابلہ مشکل ہے یہ انہین خیالات مین ہین کہ یکایک ظفر حسین کمرے مین داخل ہوئے انسپکٹر صاحب اوٹھکر گلے سے لپٹا لیا حسین بخش خوش ہو گیا ظفر حسین کی والدہ نے اندر بلا یا تھوڑی دیر کے بعد باہر آئے تو انسپکٹر صاحب نے دریافت کیا۔

انسپکٹر صاحب۔ کیون بھئی یہ کیا واقعہ ہے تین دن تک کہان رہے سب پریشان تھے مین بھی حیران ہوکر لکھنؤ سے دہلی آیا تو معلوم ہوا یہان سے غائب ہو گئے۔

ظفر حسین نے سوداگر صاحب کے ہاتھ کا نوشتہ پانا۔ دلاور کا لیجانا۔ پھر شمیم کا ملنا تہ خانہ اوسکی چالبازی دلاور کا آنا اور قید کرنا سب تفصیل سے بیان کر دیا۔

انسپکٹر صاحب - پھر اوسکے یہان سے رہائی کیونکر ملی۔

ظفر حسین - جب میری آنکھ کھلی تو ایک کمرے مین مقید پایا دوروز تک وہ دروازا وسی مکان مین رہا تیسرے دن کہین چلا گیا۔ مین اس سوچ مین تھا کہ واقعی اب یہان سے رہائی دشوار ہے اتنے مین ہاشمہ کمرہ مین آئی اور مجھکو اوس زندان بلا سے نجات دلوائی۔

انسپکٹر صاحب - اچھا جناب اوس نوشتہ سے اتنا تو معلوم ہوگیا کہ طلسمی برج رنجیت نگر مین ہے۔ اب تلاش کر لینا کیا مشکل ہے۔

ظفر حسین - یہ آپکا خیال خام ہے۔ مین اتنے عرصہ سے لکھنؤ مین رہتا ہون مگر رنجیت نگر کا نام کبھی نہین سنا دلاور کہتا تھا کہ تم کو اگر اتنا معلوم بھی ہوگیا تو کوئی فائدہ نہین ہوسکتا۔ علاوہ اسکے اگر یہ بھی معلوم ہوگیا کہ رنجیت نگر کہان ہے تو بھی جبتک طلسمی برج کا راستہ نہ معلوم ہوگا تو کچھ فائدہ نہین۔

انسپکٹر صاحب - رفتہ رفتہ سب معلوم ہو جائیگا۔

ظفر حسین - امید تو ہے مگر دلاور مجھکو نہ پاکر بہت پریشان ہوگا۔

انسپکٹر صاحب - خدا ہاشمہ کو اس خونخوار شیر سے بچائے رکھے اوسکی وجہ سے بڑی مدد مل رہی ہے۔

ظفر حسین - ہم لوگ جسقدر بھی اوسکے ممنون احسان ہون کم ہے۔

انسپکٹر صاحب (ہنسکر) محبت عجب چیز ہے نہ ہاشمہ کی طبیعت آپ پر آتی نہ یہ کامیابی کی صورت پیدا ہوتی آپکو علاوہ ہاشمہ کے اپنی اچھی صورت کا بھی ممنون ہونا چاہیئے۔ میری رائے ہے کہ کامیابی کے بعد آپکو ہاشمہ کا ساتھ دینا لازمی ہے۔

یہ سنکر ظفر حسین نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ آنکھون مین آنسو ڈبڈبا آئے۔ نورجہان کی یاد نے دل مین چٹکی لی چہرہ متغیر ہوگیا۔

انسپکٹر صاحب یہ دیکھکر معاملہ کی تہ تک پہونچ گئے۔ پھر اس طرح کہنے لگے اب یہ بتایئے لکھنؤ کب چلیئے گا۔

انسپکٹر صاحب - میرا بس ہو تو ہوائی جہاز پر بیٹھکر لکھنؤ پہونچ جاؤن ریل کا سفر ہے دیکھیئے دلاور کیا آفت ڈھائے لاکھ ہوشیاری کیجیئے مگر وہ اپنی سی کر جاتا ہے وہ دماغ سے کام لیتا ہے کہ خدا اسکی پناہ

ظفر حسین۔ دلاور کو آپ کوئی معمولی آدمی تصور نہ فرمائین اب اگر ہاشمہ سے ملاقات ہوگئی تو دلاور کی بابت ضرور دریافت کرونگا کہ یہ کون ہے اوسکی ذہانت اوسکا علم اوسکی صورت ان سب باتون سے ظاہر ہوتا ہے کہ یقینی یہ کوئی عالی خاندان آدمی ہے۔ مگر پیشہ یہ اختیار کیا جسکی وجہ سے چاہے ڈاکو کہئے یا چور۔ مگر مین یہی کہونگا کہ بلا کا آدمی ہے۔ افسوس یہ کہ ہاشمہ بالکل نہ ٹھہرسکی اوس نے کہا کہ یہان ایک منٹ بھی ٹھہرنا خطرے سے خالی نہین۔

انسپکٹر صاحب۔ ممکن ہے آپکے خیالات ٹھیک ہون اسمین کیا شک ہے بعض امور اسکے ایسے ہین کہ جنسے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شریف آدمی ہے۔ بے وجہ وہ کسی کو حتی الامکان ہلاک نہین کرتا شجاعت حسین صاحب کو بھی اوس نے قتل نہ کیا تھا۔ صرف وہ کتاب لیکر چلا جانا چاہتا تھا۔ مگر حسینی اور کلو نے حملہ کیا تو مجبور ہوگیا سنہ ۱۹۰۵ء مین جب اوسکی لاش گومتی سے نکلی تھی اوسکے بیشتر کے واقعات بھی مجھے اچھی طرح یاد ہین اوسمین کوئی خون نہین ہوا۔

ظفر حسین۔ اوسمین بہت سے اوصاف اور بھی ہین کہ ہر مذہب و ملت کے یتیم خانون اور خیراتخانون مین کثرت سے روپیہ دیتا ہے۔ علاوہ اسکے غریبون کی بھی بہت مدد کرتا ہے۔ مگر پھر بھی وہ ایک مجرم کی حیثیت مین ہے۔ ہزارون آدمیون کی اس سے دل آزاری ہوئی ہوگی۔ ہاشمہ نے جب مجھکو۔ ہائی ولدائی تو مین نے کہا۔ مین نہین چاہتا کہ خود رہا ہوکر تم کو آفت مین پھنسا دون تو ہاشمہ نے کہا آپ بالکل اطمینان رکھئے آخر مین نے بھی دلاور کی آنکھین دیکھی ہین۔ ہاشمہ میری ہی چھوٹی بہن ہے ناصر اور زبیدہ میرے ہی عزیزدار ہین انھین لوگون مین پرورش ہوئی ہے مین نے اپنے بچاؤ کی پہلے ہی تدبیر سوچ لی ہے۔

انسپکٹر صاحب۔ اچھا اب ٹرین کا وقت قریب ہے لکھنؤ چلنے کی تیاری کیجئے ظفر حسین نے اوٹھکر کپڑے پہنے دونون آدمی اسٹیشن روانہ ہوگئے ٹکٹ لیکر گاڑی مین بیٹھے۔ مگر خاموش رہا یہانتک کہ لکھنؤ پہونچے راستہ مین بالکل گفتگو نہوئی۔ جب خیریت سے کو آبائی ہو نکلے تو انسپکٹر صاحب نے کہا۔

انسپکٹر صاحب۔ اب شہر مین چلکر یہ دریافت کرنا چاہئیے کہ رنجیت نگر کہان ہے۔ دونون آدمی گیارہ بجے دن تک کوشش کرتے رہے مگر پتہ نہ چلا آخر کار ظفر حسین نے کہا مین نے ایک ترکیب سوچی ہے امید ہے کہ اب پتہ لگ جائے۔

انسپکٹر صاحب۔ فرمائیے کیا تدبیر سوچی ہے۔

ظفر حسین ۔ میونسپلٹی کے دفتر چلنا چاہئے وہاں پتہ چل جائیگا بس ذرا محنت کرنا پڑیگی ۔

انسپکٹر صاحب ۔ بہت ٹھیک ہے اس سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہیں ہو سکتا اچھا تو کوتوالی چلئے وہاں سے موٹر پر بیٹھکر دفتر چلینگے ۔ مگر ایک بات ہے آج اتوار ہے دفتر بند ہوگا ۔

ظفر حسین ۔ دفتر تو ضرور بند ہوگا ۔ مگر بعض کلرک چھٹی کے دن بھی دفتر جایا کرتے ہیں ۔ کچھ تو کام کی زیادتی کی وجہ سے اور کچھ یہ بھی کہ آفس سے ایک قسم کی محبت ہوجایا کرتی ہے ایسے لوگ زیادہ تر دفتر کے پرانے کلرک ہوتے ہیں جو چھٹی کے دن بھی اگر گھر پر کوئی ضروری کام درپیش نہو گیا تو تھوڑی دیر کے لئے آفس ضرور جاتے ہیں ۔ انسپکٹر صاحب نے راستے میں کی دونوں آدمی باتیں کرتے ہوئے اکبری دروازہ میں داخل ہوئے یہاں دو دوکانیں مٹی کے برتنوں اور کھلونوں کی آمنے سامنے ہیں داہنی دوکان پر دیکھا کہ شمیمہ کھڑی ہوئی ہے ۔ ان دونوں کو دیکھکر مودبانہ سلام کیا اور ہاتھ بڑھا کر کہنے لگی " دیکھئے اس چینی میں کیا خرابی ہے یہ موا دوکاندار کہتا ہے گھس گئی ہے ۔ گھس جانے سے کیا چھوٹی تھوڑی ہو گئی ۔ میں یہاں کھلونے لینے آئی تھی ۔ گھر پر تم دیدل آئی صرف پونی سامنے کی جیب میں رہ گئی آپ اس دوکاندار کو ڈانٹئے کہ مجھکو چونی لینا پڑیگی ۔ میں نے یہ بھی کہا کہ چونی پھر دیجاویگی تو اعتبار نہیں کرتا گویا میں بے ایمان ہوں ۔ ماموں جان اسوقت ہوتے تو اسکی خبر ضرور لیتے خیر آپ آگئے اس لئے اطمینان ہو گیا اسکو کچھ نہ کچھ سزا ضرور دینا چاہئے موا شریفوں کو بے ایمان خیال کرتا ہے ۔ جی میں آتا ہے ایک لات ماروں سب برتن ڈھیر ہوجاویں مگر پھر اس خیال سے کہ بیچارہ غریب آدمی ہے ۔ ماموں جان کہہ چکے ہیں کسی غریب کو ستانا اچھا نہیں اسوجہ سے خاموش ہو گئی مگر کم از کم آپ دو ایک تھپڑ اسکو ضرور ماریئے ۔

دوکاندار شمیمہ کی گفتگو سے حیران ۔ یہ دونوں آدمی پریشان کہ کس آفت کی لڑکی ہے بیباکی اسقدر ہے گویا کوئی بات نہیں ہم لوگوں سے بے تکلفی ہے ۔

ظفر حسین ۔ شمیمہ آج تم یہی پھنسیں

شمیمہ ۔ ہے ہے اندھیر ہے کیا آپ بھی ملے ہوئے دوکاندار کی طرف ہوگئے مجھکو آپ سے یہ امید نہ تھی آپ سے تو انسپکٹر صاحب اچھے کہ کچھ نہیں بولتے بیچارے سے صرف ایک دفعہ کی ملاقات ہے ۔ مگر آپ سے تو مدت سے شناسائی ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ہمارے آپکے یہاں آپس میں آمد و رفت ہے ۔

نورجہان بیگم آجکل ہمارے ہی یہان ہین کل تک آپ بھی تھے مگر خدا معلوم کیون بگڑ کر چلے آئے۔

ظفرحسین۔ زیادہ باتین نہ بناؤ سیدھی کوتوالی چلو۔

شمیمہ۔ چاہے ادھر کی دنیا اُدھر ہو جائے مین بغیر کھلونے لئے نہ جاؤنگی۔

ظفرحسین۔ اچھا کھلونے لے لو۔

شمیمہ نے دو گجریان۔ ایک ہاتھی۔ دو بوے اسیطرح چار آنہ کے کھلونے خریدے ظفرحسین نے اپنے پاس سے چونی دوکاندار کو دی شمیمہ سے کہا چلو۔

شمیمہ۔ مین اتنے کھلونے لیکر کیونکر چلون دو ایک آپ لیجئے۔ دو ایک انسپکٹر صاحب جو باقی بچینگے وہ مین لے چلونگی۔ آپ ہنس کیا رہے ہین خدا کی قسم مین خود قرض لینا پسند نہین کرتی۔ ماموں جان کہہ چکے ہین کہ قرض لینا بڑی بری بات ہے۔ مگر مین ایسی بھول گئی کیا کرون گھر مین سب رقم بھول آئی۔ آپ چلئے گا دیدونگی۔ کوئی غیریت نہین آپس مین ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔

ظفرحسین نے ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا شمیمہ کو اپنے ہمراہ لیکر کوتوالی کا رخ کیا تھوڑی دور جاکر شمیمہ ایک دوکان کے سامنے کھڑی ہوگئی۔

ظفرحسین۔ کیون بھئی اب کیا ہے۔

شمیمہ۔ آپ پاس دو آنہ پیسہ اور ہین؟ ذرا دے دیجئے مین سچ کہتی ہون گھر پر میرے پاس دو اٹھنیان ایک دونی تین اکنیان ساڑھے تین آنے پیسے رکھے ہوئے ہین۔ سب یہ ملکر کیا ہوا۔ دو اٹھنیون کا ایک روپیہ ایک دونی تین اکنیان ساڑھے تین آنے پیسے سب ساڑھے آٹھ آنے ہوئے۔ بس میرے پاس ایک روپیہ ساڑھے آٹھ آنے ہین آپ کچھ خیال نہ کرین چار آنہ وہ اور دو آنے یہ آپکے چھ آنے پیسے ہوئے آپ کو گنگا گلے پائی دونگی۔

ظفرحسین۔ بک بک مت لگاؤ یہ بتاؤ کیا لوگی۔

شمیمہ۔ یہ بالائی کے پان لونگی۔ دیکھئے کیسے اچھے ہین ایک ایک آنہ کے ملتے ہین۔

ظفرحسین نے پان خرید کر شمیمہ کو دئے اور کہا "جلدی چلو۔ تھوڑی دیر مین کوتوالی پہونچے۔ انسپکٹر صاحب نے شمیمہ کو ایک کمرے مین بٹھا کر دروازہ بند کر کے مقفل کیا

دو سپاہیون کا پہرہ لگا دیا کہ خبردار لڑکی باہر نہ نکل سکے۔

شمیم نے چلا کر کہا یہ بتاتے جائیے اب کب ملاقات ہوگی۔ یہان اکیلے مین میری طبیعت گھبرا جائیگی ذرا جلد وہین ہونے کی کوشش کیجیئے گا۔

اسکا کوئی جواب نہ دیا گیا۔ دونون آدمی باہر آئے موٹر پر بیٹھکر قیصر باغ ہوتے ہوئے میونسپلٹی کے دفتر پہونچے حسن اتفاق سے ایک کلرک صاحب بھی ملگئے جو بیٹھے ہوئے حساب جوڑ رہے تھے۔

ظفر حسین۔ بابو جی مین تسلیم عرض کرتا ہون۔

بابو جی۔ (جواب سلام دیکر) کیون آپ حضرات کو کیا کام ہے۔ آپ لوگ اتوار کو بھی پیچھا نہین چھوڑتے۔ واٹر ٹیکس کیا بڑھا کہ روزانہ عرضیان آتی ہین۔ تھوڑے زمانے کے بعد ایک اسکیم پاس ہونیوالی ہے جس سے مکانون پر بھی ٹیکس بڑھیگا۔ چاہے گھر مین پانی ہو یا نہ ہو اگر مکان پندرہ روپیہ کرایہ کی حیثیت کا ہے تو واٹر ٹیکس ضرور دینا پڑیگا۔ پھر آپ لوگ اور بھی زیادہ پریشان ہونگے۔ میونسپلٹی بھی مجبور ہے۔ قرضہ بڑھتا جاتا ہے اگر پبلک سے اس طرح وصول نہ کرے تو کام کہان سے چلے۔

فضول بک بک سنکر ظفر حسین نے کہا جناب ہمکو اس سے کوئی غرض نہین کہ پانی پر ٹیکس کیون بڑھایا گیا۔ نہ اس سے مطلب کہ مکانون پر ٹیکس کیون لگایا جاویگا۔ چاہے میونسپلٹی پبلک کی آنکھون مین خاک ڈالکر لوٹے تو بھی ہم کو کوئی غرض نہین میرا ایک خاص مطلب آپ سے ہے۔

بابو جی۔ اچھا تو پھر آپ دونون آدمی کس غرض سے آئے ہین۔ آج اتوار ہے دفتر بند ہے۔ جو کچھ دریافت کرنا ہو کل آئیے گا۔

ظفر حسین۔ بابو جی غصہ نہ کیجیئے آپکے یہان آفس مین لکھنؤ کا پرانا نقشہ ہے صرف اتنا دریافت کرنا ہے کہ رنجیت نگر کہان ہے۔

بابو جی۔ (غصہ سے) واہ جناب واہ کیا سہل کام بتایا ہے۔ علاوہ اسکے رنجیت نگر تو مین نے سنا بھی نہین کہ کس چڑیا کا نام ہے شاید ضلع لکھنؤ مین اس نام کا کوئی موضع ہو۔

ظفر حسین نے پانچ روپیہ کا نوٹ نکالکر سامنے پیش کیا۔ بابو جی نے نوٹ لیکر جیب مین

رکھا اور کہنے لگے "اسکی کیا ضرورت تھی۔ آپ شرمندہ کرتے ہیں میں صرف سوچ سے
عرض کرتا تھا کہ کام بڑی محنت کا ہے ورنہ مجھکو بتانے میں کیا عذر تھا جبکہ جہاں میرا
اتنا نقصان ہوا وہاں اور سہی - یہ کہکر ایک الماری کھولی سینکڑوں رجسٹر اور نقشے
رکھے ہوئے تھے تلاش کرتے کرتے چار بجگئے اندھیرا ہوگیا۔ خدا خدا کرکے ایک رجسٹر ملا
جسمیں رنجیت نگر کا پتہ تحریر تھا۔ ظفر حسین نے پانچ روپیہ بابو جی کو اور دیئے۔ رجسٹر کے
صفحہ سینتالیس میں تحریر تھا "رنجیت نگر موضع بارہ کو کہتے ہیں جو کربلا کے تال کٹورہ کے
آگے قریب دو میل کے فاصلہ پر ہے۔ فوراً ایک پرچہ پر یہ عبارت لکھ لی گئی۔ دونوں
آدمیوں کی خوشی کے مارے عجیب حالت تھی۔ بابو جی کا شکریہ ادا کرکے باہر آئے موٹر پر
بیٹھکر سیدھے تال کٹورے کی کربلا کی طرف روانہ ہوگئے۔ امین آباد پہونچکر معلوم ہوا کہ
پٹرول نہیں ہے۔ انسپکٹر صاحب کو بہت تعجب ہوا کہ پٹرول نہایت کافی مقدار میں
تھا شاید بہ گیا۔ بہرحال اسکا بھی انتظام ہوگیا۔ کربلا پہونچکر موٹر ایک چوکیدار کے
حوالہ کی اور پیدل چلنا شروع کیا۔ تھوڑی دیر میں تاڑ کے لانبے لانبے درخت دکھلائی
دیئے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ درخت موضع بارہ ہی میں ہیں۔ وہاں پہونچکر تلاش
شروع کیا کہ "طلسمی پیچ" کس جگہ ہے۔ اتفاق سے ایک پرانی شاہی عمارت نظر آئی۔
دیواریں بالکل گری ہوئی تھیں صرف کچھ آثار باقی تھے۔ کوٹھریاں صحنچیاں وغیرہ سب
بہت بوسیدہ حالت میں تھیں دونوں آدمی اُس میں داخل ہوگئے۔ ظفر حسین نے کہا۔
"میرے خیال میں یہیں سے "طلسمی پیچ" کا راستہ ہے کچھ دلاور نے دھوکا کھایا وہ اس خیال
میں ہوگا کہ ظفر حسین تو دہلی میں مقید ہیں اسکی خبر نہیں کہ وہ یہاں آکر پیچ ہوگیا۔
انسپکٹر صاحب۔ مجھکو تو ایک عجیب قسم کا ڈر معلوم ہوتا ہے گویا دل بیٹھا جاتا
ہے۔ جیسے یہ مقام کاٹنے کھاتا ہے۔ مگر اتنا ضرور ہے دلاور کو ہم لوگوں کی خبر ہوتی ورنہ
پہلے ہی کچھ انتظام کرتا۔
عمارت ہر طرف سے دیکھ ڈالی گئی۔ مگر کوئی پوشیدہ راستہ نظر نہ آیا۔ آخر کار ایک
صحنچی میں داخل ہوئے تو ایک غار نظر آیا جہانتک نظر دیکھا تو سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔
بسم اللہ کہکر دونوں آدمی اُترے یہ ایک عجیب قسم کی تاریک پتھریلی سرنگ تھی برقی
لیمپ روشن کرکے آگے بڑھے تو یکایک تمام سرنگ میں بجلی کی روشنی ہوگئی۔ یہ دیکھکر قدم

رک گئے۔ نظر اٹھا کر دیکھا تو شمیمہ مسکراتی ہوئی چلی آ رہی ہو۔ یہ لوگ حیرت و تعجب میں کھڑے ہو گئے ہیں نہ منھ سے بولا جاتا ہے نہ پیروں میں چلنے کی طاقت ہے یا الٰہی یہ کیا ہوا اس کمبخت کو تو الماری میں قید کیا تھا۔ یہاں کس طرح پہونچ گئی۔ اتنے میں شمیمہ بھی قریب پہونچ گئی یا تھ میں ایک چونی دو آنے پیسے بڑھا کر کہنے لگی "ظفر حسین صاحب اپنا قرضہ لیجئے آپ گھبرا گئے جاتے تھے۔ میں جھوٹ تھوڑا ہی کہتی تھی کہ گھر پر میرے پاس ایک روپیہ ساڑھے آٹھ آنے پیسے موجود ہیں" یہ کہکر ظفر حسین کی جیب میں چونی اور پیسے ڈال دیئے۔

دونوں آدمی کچھ سوچکر نہایت تیزی سے چلے تو سرنگ کا منھ ایک بڑے پتھر سے ڈھکا ہوا پایا۔ پتھر ہٹانے کی کوشش کی۔ مگر کوئی فائدہ نہ ہوا اب اپنے قید ہو جانیکا یقین ہو گیا۔

اتنے میں دیکھا کہ سامنے سے وہی دفتر والے بابو جی مسکراتے ہوئے چلے آ رہے ہیں یہ لوگ فوراً سمجھ گئے کہ یہی دلاور ہے جس نے ہم کو سخت دھوکا دیا۔ حواس جاتے رہے عجیب حالت ہو گئی۔

دلاور۔ آپ لوگوں نے نجیب نگر کا خوب پتہ لگایا۔ مجھکو بھی پریشان کیا۔ خود بھی حیران ہوئے۔ مسٹر ظفر اب یہاں کب تک کھڑے رہو گے چلکر کمرے میں بیٹھو تو نجیب نگر کا پتہ اچھی طرح بتاؤں (دونوں آدمیوں کا ہاتھ پکڑ کر) کمرے میں سب لوگ انتظار کر رہے ہیں۔ ناصر بھی، فریڈک بھی ہے۔ زبیدہ بھی ہیں۔ افسوس آج دونوں میں سے کسی کے پاس جیب میں پستول بھی نہیں ورنہ دلاور پر ایک ایک فیر ضرور ہوتا۔

واقعی امر یہ تھا کہ دونوں میں سے کسی کے پاس بھی پستول نہ تھا۔

دونوں آدمی چاروناچار آگے بڑھے سرنگ کے آخری سرے پر ایک کمرہ تھا جو ہر طرح کے سازوسامان سے آراستہ تھا۔ کمرے میں کئی چیلے دلاور کے بیٹھے ہوئے تھے جو دیکھکر کھڑے ہو گئے دونوں آدمیوں کو کرسی پر بٹھایا۔ میز پر چاء کا سامان رکھا ہوا تھا۔

دلاور۔ آؤ بھئی چاء پیو۔ دفتر میں دن بھر مجھسے مفت محنت لی اور اجرت صرف دس روپیہ دیکر ٹالا۔ دلاور نے چاء پینے کو کہا مگر دونوں آدمیوں کے چہرے غصہ سے سرخ ہو رہے تھے۔ اگر دلاور کے ہمراہی اسوقت موجود نہ ہوتے تو یہ لوگ ضرور دلاور پر حملہ کرتے لیکن مجبوری تھی کر ہی کیا سکتے تھے۔

دلاور چاء پیکر کہنے لگا۔

دلاور۔ سنو ظفر حسین میں خوب سمجھتا ہوں صرف تمہاری پریشانی دور کرنے کے لئے یہ سمجھا دینا ہے

کہ کس طرح تم لوگ یہاں جہاں بلائے گئے۔ جب تم دہلی سے غائب ہو گئے تو مجھکو سخت تعجب
ہوا۔ پتہ لگانے پر معلوم ہوا کہ انسپکٹر صاحب بھی تمہارے ہمراہ ہیں۔ تم لوگ دہلی سے لکھنؤ
آئے تو رنجیت نگر کی تلاش ہوئی۔ میں یہ جانتا تھا کہ تم کسقدر ذہین آدمی ہو میونسپلٹی
کے دفتر میں آؤگے۔ چنانچہ وہی ہوا۔ میں وہاں تم لوگوں سے پیشتر پہونچگیا جس مقام پر
رنجیت نگر کا اصلی پتہ تحریر تھا وہاں وہ عبارت مٹا کر تحریر کی جسکی نقل تم نے کی ہے۔ غرضکہ
جب تم لوگ آرہے تھے تو راستہ میں شمیم علی اسکو کوتوالی میں قید کر کے دفتر پہونچے
میرا ایک چیلہ دفتر میں چپراسی بنا کھڑا تھا۔ اسکو معلوم ہو گیا تھا کہ شمیم کوتوالی میں ہے۔
تم لوگ دفتر میں مجھسے باتیں کرتے رہے وہ موٹر لیکر کوتوالی پہونچا۔ وہاں سب انسپکٹر صاحب
سے اسنے کہا "دفتر میں شیام سندر صاحب نے شمیم کو بلایا ہے۔ مگر کہدیا ہے کہ نہایت حفاظت
سے دو سپاہیوں کی نگرانی میں روانہ کرنا۔"

موٹر انسپکٹر صاحب کی تھی۔ نہ یقین کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی دو کانسٹبلوں کی نگرانی میں
شمیم روانہ کی گئی۔ وہ دونوں سپاہی تال کٹورے والی سڑک پر نیاورین میں بیہوش پڑے ہیں۔
جب ہوش آئیگا تو کوتوالی کا راستہ انکو معلوم ہے چلے جاوینگے۔ ہاں تو اس موٹر پر شمیم یہاں
آگئی۔ پھر موٹر اپنی جگہ پہونچا دی گئی۔ مگر اسکا پٹرول نکال ڈالا گیا۔ اس وجہ سے کہ میں یہاں تم
دونوں مہانوں سے پیشتر پہونچنا چاہتا تھا وہی ہوا ادھر تم لوگ امین آباد میں پٹرول لینے کے
لئے ٹھہرے میں اپنے موٹر پر جو وہیں دفتر کے قریب ایک جگہ کھڑی تھی بیٹھکر تم سے قبل پہونچگیا

اب خوب غور سے سنو۔ دلاور سے مقابلہ کرنے کا خیال اپنے چھوٹے سے دل سے
نکال ڈالو۔ تم لوگ میرا کچھ نہیں بنا سکتے۔ اور اگر اب تم لوگوں کی رہائی مشکل ہے۔ مگر شاید
مجھکو رحم آجائے اور آزاد کردوں تو آئندہ رنجیت نگر نہ تلاش کرنا اس میں بڑی بڑی زحمتیں
ہیں۔ جسکا تم کو تھوڑا سا تجربہ بھی ہو گیا۔ ایک بات یہ ہے تم دونوں آدمیوں کا ساتھ رہنا
ٹھیک نہیں۔ لہذا آج اسلئے اجازت دی جاتی ہے کہ دونوں آدمی ملکر خوب مباحثہ
کرو کہ دلاور کا مقابلہ کرنا ٹھیک ہے یا نہیں ظفر حسین تم ہماری طرف سے وکیل ہو انسپکٹر صاحب
تو پولیس کی ملازمت میں ہیں بھلا وہ کیوں اس بات پر راضی ہونگے۔ دیکھیں تم میں سے کسکو
فتح ہوتی ہے۔ ظفر حسین اگر تم کو اپنی ذہانت پر ناز ہے تو انسپکٹر صاحب کو اپنے تجربہ پر فخر
ہے ہر طریقے سے جوڑ کا نشانہ ہے۔ مگر ملی بھگت کی شرط نہیں۔ میں جج بننے کو تیار ہوں اور

فیصلہ بھی ایمانداری سے کرتا۔ مگر افسوس مجھکو ایک خاص انتظام کرنا ہے اس لئے جاتا ہوں (گھڑی کی طرف دیکھکر) ارے آٹھ بج گئے۔ اچھا خدا حافظ میں جاتا ہوں۔ آج شمیمہ اور زبیدہ کی پہرہ دار یہاں ہیں تم لوگ ہو۔ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو خانہ بے تکلف سمجھکر مانگ لینا۔

یہ کہکر اٹھا کمرے سے باہر مع اپنے ہمراہیوں کے باہر آیا دروازے بند ہو گئے۔

چمن والوں سے کہدینا سلام اب ہم تو آخر ہیں
قفس سے ہم صفیرو جب کبھی تم چھوٹکر جانا
(مصنف)

باب چہاردہم

۱۴

دہ دل کی آرزو ہی جو شہید یاس و حرمان ہے
وہ پیرا دل ہی جسکو تم سمجھتے ہو کہ پیکان ہے
(رمز)

خوب بچے

ہاشمہ۔ آپ لوگ ایسا دھوکا کھاتے ہیں کہ جسکی حد نہیں میں بارہا کہہ چکی ہوں کہ آپ نہایت احتیاط سے کام لیجیے۔ ڈرتی ہوں اگر دلاور کو قدرے شبہ بھی ہو گیا تو غضب ہی ہوگا۔

ظفر حسین۔ ہاشمہ تم ہم لوگوں پر وہ احسان کر رہی ہو جسکا بدلہ ہو نہیں سکتا اگر تم یہاں اسوقت نہ آتیں تو رہائی پانا غیر ممکن تھا۔

ہاشمہ۔ آپ مجھکو شرمندہ کرتے ہیں بھلا میں نے کونسا ایسا سلوک کیا کہ احسان کہا جائے ہاں انشاء اللہ اب وہ وقت آنے والا ہے کہ آپ مجھسے خوش ہونگے۔ اسوقت کچھ اطمینان ہے شمیمہ اور مومانی جان یہاں سے بہت دور کمرے میں سو رہی ہیں ۲ بجے مجھے پہرے پر مجھکو خبر دی کہ آپ لوگ قید ہو گئے ہیں کل سے آپ لوگوں کی حفاظت میری سپرد کی گئی ہے تو آپ لوگوں کو نکالکر پھر اپنے مقام پر چلی جاؤنگی جو تجہیز نامی ہے شمیمہ اور مومانی جان پہنچیں گی

ظفر حسین۔ زبیدہ جان کہاں ہیں

ہاشمہ۔ وہ یہیں تشریف رکھتی ہیں مگر ایک خاص مصلحت سے انکا پتہ نہیں بتا سکتی۔ آپ

اطمینان رکھئے اونکو کسی قسم کی تکلیف نہین ہوسکتی۔ وہ وقت بھی آنے والا ہے کہ اُن کی رہائی ہو۔

ظفر حسین۔ اگر مصلحت نہین ہے تو نہ بتاؤ۔ مگر یہ تو بتا سکتی ہو کہ رنجیت نگر کہان ہے اور طلسمی برج کا راستہ کدھر ہے۔

ہاشمہ۔ مجھکو نہایت افسوس ہے کہ مین ابھی نہین بتا سکتی انشاء اللہ بہت جلد سب باتین بتا دونگی۔

ظفر حسین۔ جیسا تم مناسب خیال کرو ویسا ہی کیا جائے۔

ہاشمہ۔ بس یہی بہتر ہے کہ آپ لوگ نہایت احتیاط سے کام کرین اور دلاور جب آپکو یہان بھی نہ پائیگا تو پھر واقعی مین سخت کارروائی ہوگی۔

انسپکٹر صاحب۔ خوب یاد آیا یہ بتاؤ کہ دلاور کون ہے اور کہان کا رہنے والا ہے۔

ہاشمہ۔ دلاور کی سوانح عمری مین اچھی طرح جانتی ہون مختصراً آپ سے بیان کئے دیتی ہون۔

• دلاور کے والد جنکا نام حیدر بیگ تھا واجد علی شاہ کے یہان موروثی خانہ کے داروغاؤن مین سے تھے جس زمانہ مین گورنمنٹ نے واجد علی شاہ اودھ کو نظربند کرکے لکھنؤ سے کلکتہ مٹیا برج روانہ کر دیا تو حیدر بیگ بھی ہمراہ گئے۔ وہان پہنچکر اُنکی بی بی نے انتقال کیا۔ عرصہ تک بی بی کے غم مین سوگوار رہے مگر پھر دوستون کے اصرار سے دوسری شادی کی جس کے تھوڑے عرصہ کے بعد واجد علی شاہ نے انتقال کیا۔ مگر چونکہ حیدر بیگ نے کافی سرمایہ جمع کر لیا تھا اس لئے اطمینان سے زندگی بسر کرنے لگے۔ حیدر بیگ کے یہان ابھی تک نہ پہلی بی بی سے کوئی اولاد ہوئی تھی نہ دوسری سے یہان تک کہ ۱۸۸۲ء مین دلاور پیدا ہوا۔ ابھی یہی صاف کی عمر تھی کہ باپ کا سایہ عاطفت سر سے اُٹھ گیا۔ جس کے تین ماہ بعد ایک ڈاکہ پڑا سب مال و اسباب لوٹ لیا گیا۔ ڈاکوؤن نے دلاور کی مان کو بھی ہلاک کیا۔ لوگون نے بے وارث خیال کرکے ازراہ خداترسی دلاور کو ایک یتیم خانہ مین داخل کر دیا۔ ذہین طبیعت ہونے کی وجہ سے یتیم خانہ کی طرف سے تعلیم نعمت ہونے لگی

ایک دن کلکتہ فورٹ کے قریب ٹہل رہا تھا کہ ایک انگریز جسکا نام جانسن تھا۔ گاڑی پر بیٹھے مع اپنی میم صاحبہ کے ہوا خوری کو جا رہے تھے یکایک گھوڑے نے ٹھوکر لی اور گاڑی اُلٹ گئی۔ دلاور نے اس پھرتی اور چالاکی سے میم صاحب کو بچایا کہ اُسکے بالکل چوٹ نہ آئی۔ جانسن صاحب بہت خوش ہوئے دلاور کا پتہ دریافت کرکے یتیم خانہ پہونچے اور دلاور کی تعلیم کا بار اور دیگر اخراجات اپنے ذمہ کر لئے انگریزی تعلیم بھی انھیں کی بدولت حاصل ہو گئی۔ یہان تک کہ زمانہ نے پھر کروٹ بدلی اور جانسن صاحب اور انکی میم صاحبہ پلیگ سے ہلاک ہوئے اب دلاور کا کوئی مربی نہ رہا۔ دل مین سفر کا شوق پیدا ہوا ایک عجمی سوداگر کی ملازمت کی اور ایران جانے والے جہاز پر بیٹھکر ایران پہونچا۔ وہان اس مدت تک جب تک کہ فارسی زبان اچھی طرح آ گئی قیام کیا۔ اسکے بعد مصر کا سفر اختیار کیا سات برس وہان قیام کرکے (انگلینڈ) (انگلستان) پہونچا وہان ایک فریڈک نامے انگریز سے ملاقات ہوئی جو ایک نہایت شاطر ڈاکو تھا اسکی صحبت نے دلاور پر بھی اثر کیا۔

یہانتک کہ رفتہ رفتہ فریڈک خود ایک چیلہ ہو گیا اور دلاور اپنی کارگذاریوں سے سردار ہو گیا۔ جرمن۔ فرانس۔ بلجیم۔ اسپین۔ اٹلی۔ روس وغیرہ وغیرہ کی سیر و سیاحت کرتا ہوا ہندوستان مین داخل ہوا۔ یہان آکر دلاور نے اپنا ایک باقاعدہ گروہ بنا لیا۔ لاکھوں روپیہ ماہوار حاصل ہونے لگا بمبئی۔ مدراس۔ کلکتہ۔ پٹنہ۔ احمد آباد وغیرہ وغیرہ ہوتا ہوا لکھنؤ پہونچا یہان پہونچکر دلاور کو چند مکانات ایسے ملے جو نہایت عجیب و غریب تھے۔ اب دلاور کو فکر ہوئی اور قریب قریب ہر شہر مین دو ایک مکانات اس قسم کے تلاش کر لئے۔ وجہ یہ تھی کہ زمانہ شاہی مین روسا و امرا کو ایسے مکانات بنانیکا شوق تھا۔ بہت سے شہرون مین خود دلاور نے اپنی جدت طبع سے ایسے ہی مکانات بنوائے۔ پرانی قیامگاہون مین بجلی وغیرہ کی روشنی دلاور ہی کی جدت ہے۔ مین یہ کہنا بھول گئی کہ جب دلاور کو یہ مکانات لکھنؤ مین دستیاب ہوئے تو "طلسمی برج" کو تلاش کرنا شروع کیا۔ آخر کار بہت کوشش و سعی کے بعد وہ کامیاب ہوا اُسوقت سے دلاور نے ڈاکہ زنی بہت کم کر دی۔

میرے والد بھی دلاور ہی کے گروہ مین تھے جنکا قریب ۴ سال ہوئے انتقال ہو گیا۔ ہم میرے ماموں ہین والدہ نے بھی دو سال ہوئے انتقال کیا۔ میرے والد کا وطن فرخ آباد تھا اور سوداگر پیشہ تھے اتفاق ایسا ہوا کہ اُنکو اپنے کاروبار مین کچھ نقصان ہوا اور رفتہ رفتہ بالکل دیوالیے

ہو گئے۔ ایک دن دلاور سے ملاقات ہو گئی آکر (والد) اپنے مطلب کے موافق پاکر دلاور نے اپنے گروہ مین شامل کر لیا۔ میرے ماموں پہلے ہی سے اس گروہ مین شامل تھے غرض جتنے آدمی دلاور کے گروہ مین شریک ہین سب ایک سے ایک قابل ہین۔

دلاور مین یہ ایک خاص بات ہی کہ وہ حد سے زیادہ رحم دل ہے۔ سیکڑون غربا کی پرورش کرتا ہے۔ حتی الامکان کبھی خون ناحق کا مرتکب نہین ہوا۔ دلاور کی ایک ہی بچی حسینہ ہے در اصل وہ اسم بامسمیٰ ہے۔ دلاور حسینہ کو اپنی جان و روح سمجھتا ہے۔ ہم سب لوگ حسینہ کی خدمت کیا کرتے ہین۔ جو کچھ کہ مین نے آپ سے بیان کیا یہ دلاور نے ایک دن خود میرے والد سے بیان کیا تھا۔

انسپکٹر صاحب۔ دلاور کی سوانح عمری بھی عجیب و غریب ہے۔

ظفر حسین۔ افسوس اگر دلاور یہ ذلیل پیشہ اختیار نہ کرتا تو اسکا شغل تھا مگر ہر آدمی مین کچھ نہ کچھ عیب ضرور ہوتا ہے سچ ہی بے عیب خدا کی ذات ہی۔

ہاشمہ۔ وہ اپنی طبیعت سے مجبور ہے مگر اب بہت برہم ہوگا کوئی تعجب نہین جو مجبور ہو کر کوئی نقصان کی وہ تدبیر کرے۔ لہذا اب جہانتک ہو سکے آپ لوگ بہت ہوشیاری سے کام کیجیے۔

یہ کہکر ہاشمہ اٹھی ظفر حسین اور انسپکٹر صاحب کو لیکر ایک نئے راستہ سے باہر نکالا چونکہ شب کے دو بجگئے تھے، ظفر حسین انسپکٹر صاحب کو لیکر اپنے یہان پہونچا اور باقی رات وہین گذاری۔

سات گھنٹہ سونے کے بعد دونون آدمی بیدار ہوئے انسپکٹر صاحب آئندہ ملنے کا وعدہ کرکے کوتوالی چلے گئے یہان ظفر حسین نے سوچنا شروع کیا "ممکن ہے رنجیت سنگھ تال کٹورہ ہی کی کربلا ہی کی طرف ہو۔ ہاشمہ نے کہا مین ایک خاص مصلحت سے بتانا نہین چاہتی۔ خدا معلوم وہ کیا مصلحت ہے۔ خیر کچھ بھی ہو ہاشمہ کی وجہ سے اب امید قوی ہے کہ دلاور پر فتح ہو گی۔ یقینی اسکے قوتون کا شیرازہ بکھرنے والا ہے۔ کچھ سوچکر اٹھا کپڑے پہنکر باہر آیا۔ خدا معلوم کونسی کشش نے زور کیا۔ بغیر سوچے سمجھے ایک طرف چلدیا۔ یہانتک کہ رومی دروازہ والی سڑک پر پہونچا عقب سے ایک موٹر اسکے پاس ہوکر گذری۔ اگر فوراً ہٹ نہ جائے تو کچل ہی جاتا۔ حسین آباد امام باڑہ پر حسینیہ کے بیرونی پھاٹک کے سامنے

عمارت کے قریب آکر کھڑی ہوگئی

ظفر حسین نے موٹر سے نہیدہ اور شمیمہ کو اترتے ہوئے دیکھا۔ دلمین خیال کیا ممکن ہے کہ نورجہان یہین مقید ہو۔ موٹر عمارت کے گرد گھوم کر غائب ہوگئی۔

عمارت مین پہونچکر ظفر حسین نے رستہ تلاش کرنا شروع کیا۔ دیوار مین ایک جگہ گول آہنی توا لگا ہوا تھا۔ درمیان مین ایک پینچ تھا اسکو گھمایا توے کو گردش ہوئی اور ایک جانب ہٹ گیا رستہ نمودار ہوا بسم اللہ کہکر اندر قدم رکھا تو ایک سرنگ مین پہونچا قریب دس منٹ تک چلتا رہا۔ مگر کوئی خاص بات معلوم نہ ہوئی۔ زمین اسقدر چکنی تھی کہ پیر پھسلا جاتا تھا۔ قصد کیا کہ پلٹ جاؤن اور انسپکٹر صاحب کو لے آؤن کہ یکایک ایک دروازہ کھلا اور شمیمہ یہ کہتی ہوئی برآمد ہوئی۔

شمیمہ۔ آپ اندھیرے مین کیون کھڑے ہین۔

یہ کہکر دیوار مین لگا ہوا بٹن دبایا سرنگ مین بجلی کی روشنی ہوگئی۔

ظفر حسین۔ شمیمہ تم حد سے زیادہ چالباز اور مکار لڑکی ہو۔

شمیمہ۔ مین آپکو کیا پریشان کرتی ہون۔ بھلا آپکو کیا تکلیف تھی کہ وہان سے چلے آئے۔ تعجب انگیز بات یہ ہے کہ آپ لوگ کدھر سے چلے آئے کیونکہ مین نے خاص انتظام کر دیا تھا جدھر سے آپ لوگ بھاگ آئے وہ رستہ سوائے ہم لوگون کے اور کوئی نہین جانتا اچھا اب بتائیے آپ لوگ کس طرح چلے آئے۔

ظفر حسین۔ میرے قبضہ مین ایک جن ہے اُسکی مدد سے نکل آتا ہون یہ بتاؤ کہ نورجہان کہان ہین۔

شمیمہ۔ پہلے آپ یہ بتائیے کہ آپ لوگون کو وہان سے کسطرح رہائی ملی مین قسم کھا کر کہتی ہون اگر آپ ٹھیک ٹھیک بتا دینگے تو مین نورجہان بیگم سے آپکو ملا دونگی۔

ظفر حسین نے جس رستہ سے باہر آیا تھا بتا دیا اور کہا کہ وہ رستہ مین نے اپنی عقل و ذہانت سے دریافت کیا تھا۔ یہ بات کچھ اس طریقہ سے کہی کہ شمیمہ سی لڑکی دہوکا کھا گئی

شمیمہ۔ آئیے اب آپکو نورجہان بیگم سے ملا دون۔ مگر بالکل تھوڑی دیر کے لئے۔ ماموں جان کو اگر خبر ہوگئی تو وہ بہت ناراض ہونگے۔

شمیمہ نے ظفر حسین کو ایک کمرے مین پہونچایا جسکا صرف درمیانی دروازہ کھلا تھا۔ یہان آکر

ظفر حسین کو چھوڑ دیا اور خود باہر چلی گئی دروازہ بند ہوگیا - کمرے مین اندھیرا تھا یکایک سرخ بجلی کی روشنی ہوگئی - کمرے کی زمین لکڑی کی تھی -

ظفر حسین نے دیکھا کہ سامنے مسہری پہ نور جہان لیٹی ہوئی سو رہی ہے - دیکھتے ہی مسہری کی طرف دوڑا یکایک تختہ پھٹا مسہری غائب ہوگئی - اور زمین پھر برابر ہوگئی یہ بیچارہ دیوانہ وار دوڑ کر رہ گیا - ابھی پریشانی دور نہ ہوئی تھی کہ سامنے والی دیوار کا دروازہ کھلا اور ہاشمہ یہ کہتی ہوئی کمرے مین داخل ہوئی -

ہاشمہ - اس تختہ مین جہان مسہری بچھی ہوئی تھی نیچے کمانی لگی ہوئی ہے - آپ دوڑے تو تختہ پھٹ گیا - اب اگر پھر زور سے قدم رکھیگا تو تختہ اسی طرح پھٹ جائیگا - لہذا آہستہ آہستہ اس دروازہ سے نکل چلئے نور جہان اب پیچھے والے کمرے مین ہین -

ظفر حسین - مین تو خدا سے چاہتا ہون کہ کسی طرح نور جہان تک پہونچ جاؤن -

ہاشمہ - وہان اسوقت شمیہ اور موبانی جان موجود ہین - چونکہ مین نے آپکو وہان سے پوشیدہ رہائی دلائی - موبانی جان اور شمیہ کو پھر گرفتار کرنے کی فکر ہوئی جسکے لئے یہ طریقہ اختیار کیا گیا - مجھکو خبر ہوگئی تھی - مین یہان پیشتر سے آکر چھپ رہی - نورجہان کو بیہوش کرکے مسہری پر لٹا دیا گیا تھا - لہذا آپ میرے ساتھ چلئے آج آپکو ایک نئی بات دکھاؤن - چونکہ دلاور و بجے شب تک نہین آسکتا اسلئے وقت کافی ہے - آپ نور جہان سے بالکل مطمئن رہے صرف چند ہی روز کی اور مفارقت گوارا کیجئے -

ظفر حسین کو لیکر ہاشمہ ایک سرنگ مین پہونچی - ایک کوٹھری کھولکر موٹر سائیکل نکالی - برابر والی سیٹ پر خود بیٹھی اور ظفر حسین سے کہا آپ چلائیے - یہان کی زمین پختہ ہے کچھ خوف نہ کیجیے - ظفر حسین نے بیٹھکر موٹر سائیکل چلانا شروع کی - بیسیون جگہ ادھر ادھر گھوم گھوم کر خدا معلوم کہان سے کہان پہونچا ایک جگہ پہونچکر ہاشمہ نے کہا بس اب روک لیجئے -

ظفر حسین - اب ہم لوگ کہان ہین -

ہاشمہ نے ظفر حسین کو ایک کمرے مین پہونچا دیا - اب جو غور سے دیکھا تو وہی کمرہ جہان ایک دن پیشتر مع انسپکٹر صاحب کے قید تھا اور ہاشمہ نے رہائی دلوائی تھی -

ہاشمہ - دلاور غضب کا آدمی ہے - لکھنؤ مین جتنی بھی اسکی قیامگاہین ہین وہ سب ایک دوسرے سے سرنگون کے ذریعہ سے ملی ہوئی ہین - یہ خاص دلاور ہی کی جدت ہے یہ اسلئے کہا گیا ہے کہ اگر

کسی کو ان تہ خانوں کا پتہ معلوم بھی ہو گیا۔ تو وہ ان پوشیدہ سرنگوں سے کام نکال سکتا ہے
علاوہ اسکے ان سب پوشیدہ سرنگوں سے ایک ایک سرنگ " طلسمی برج" تک گئی ہوئی ہے
یہ بھی دلاور بیگ کی جدت ہے اس سے یہ فائدہ ہے اگر کسی کو طلسمی برج کا راستہ اور پتہ
معلوم بھی ہو گیا تو وہ ان سرنگوں میں سرگردان پھرتا رہیگا۔

ظفر حسین۔ اگر یہاں سے طلسمی برج کو راستہ گیا ہوا ہے تو وہاں پہونچا دو۔

ہاشمہ۔ گھبرایئے نہیں مین وعدہ کرتی ہوں کہ اسی ہفتہ مین آپکو کامیابی ہو گی۔

ظفر حسین۔ کیا تم سچ کہتی ہو۔

ہاشمہ۔ اگر دن بھی کر سکے، تو دیکھیئے، کیا انعام عنایت ہوتا ہے

ظفر حسین۔ میرا ذرہ ذرہ تمھارا احسانمند ہے زندگی بھر تمھارے احسان سے
سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ تم نے اپنی کارگذاریوں سے میرے دل میں اپنے واسطے ایک
جگہ پیدا کر لی ہے۔

یہ سنکر ہاشمہ کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد ہاشمہ
نے کہا۔

ہاشمہ۔ اب یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں ممکن ہے کہ شمیمہ یا موما جان کو معلوم ہو جائے تو بڑی
خرابی ہو گی۔ اب آپ تشریف لے جایئے یہ کہکر ظفر حسین کو ایک راستہ سے باہر کر دیا۔

وہ یہ خوش ہیں کہ آسانی سے اپنا تیر ڈھونڈینگے
میں روتا ہوں کہ دل کھویا ہوا مشکل سے ملتا ہے (رمز)

باب پانزدہم

کرو دن سے نہ ماتم گیسوؤں میں ہمیں ہوگی
میری تربت میں پیدا شام غم کی تیرگی ہوگی (رمز)

رنج و خوشی

مذکورۂ بالا واقعہ کو تین دن گذر گئے ہیں شب کے بارہ بجے ہیں ظفر حسین اپنے کرہ میں

لیٹا ہوا خیال کر رہا ہے "خدا معلوم ہاشمہ کا کیا حشر ہوا۔ خدا نخواستہ ایسا تو نہ ہوا ہو کہ دلاور کو ہاشمہ کی سازش معلوم ہو گئی اور اسکو ہلاک کر ڈالا ہو۔ اگر ایسا ہے تو بس امید کا خاتمہ ہے۔ نہ نور جہان مل سکتی ہیں نہ "طلسمی برج" کا پتہ لگ سکتا ہے۔ دلاور سچ کہتا تھا کہ بخیت نگر کا پتہ لگانا بہت مشکل ہے۔ تین دن گذر چکے ہیں، مگر بخیت نگر کا پتہ نہ لگا انسپکٹر صاحب نے بھی کوشش کی میں بھی پریشان ہوا مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا"

دل کی الجھن نے ترقی کی کمرے سے باہر آکر کوٹھی کے چبوترے پر ٹہلنا شروع کیا ایک گھنٹہ اس طرح بھی گذر گیا۔ مگر الجھن کم نہ ہوئی دل میں خیال کر رہا ہے "آج کی رات بھی کسقدر منحوس ہے خود بخود دل بیٹھا جاتا ہے خدا معلوم کیا ہونے والا ہے۔ لاکھ لاکھ چاہتا ہوں کہ سو رہوں مگر پلنگ پر لیٹتے ہی طبیعت اور بگڑنے لگتی ہے۔ آج تک ایسا نہ ہوا تھا"

(پھاٹک کھول کر سڑک پر ٹہلنا شروع کیا)

اندھیرا چارون طرف چھایا ہوا ہے۔ لیلیٰ شب نے کسی کے غم میں اپنے لانبے سیاہ بال بکھرا دیئے ہیں۔ تارے جنکو آسمان کے چشم و چراغ کہنا چاہیئے اس وقت ظفر حسین کی بیچینی و کرب دیکھ دیکھ کر ابر کے پردے میں روپوش ہوتے جاتے ہیں۔ یکایک سامنے سے ایک روشنی نمودار ہوئی۔ غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ چند آدمی ایک صندوق لیئے چلے جا رہے ہیں خیال کیا کہ یہ چور مال لیکر جا رہے ہیں۔

ظفر حسین اپنے کمرے میں آیا اور پستول لیکر باہر نکلا آتے ہی ایک ہوائی فیر کیا جسکی آواز سنتے ہی وہ غائب ہو گئے۔ ظفر حسین جھپٹکر وہان پہونچا برقی لیمپ روشن کر کے چارون طرف دیکھا کسی کو نہ پایا زمین پر ایک لفافہ پڑا ہوا تھا اسکو اٹھا کر کمرے میں آیا کھولا تو ایک خط نکلا جسمیں یہ تحریر تھا۔

ناصر میرے حکم کی فوراً تعمیل کرو۔ ظفر حسین نے بہت سر اٹھا رکھا ہے میں نے لاکھ لاکھ چاہا کہ وہ خاموش ہو کر بیٹھیں مگر انکی طبیعت بہت ضدی واقع ہوئی ہے لہذا خط ملتے ہی تم نور جہان کو ہلاک کر ڈالو۔ ظفر حسین کی سزا اس سے بہتر نہیں ہو سکتی۔ جبتک زندہ رہیں یاد رکھیں کہ دلاور سے مقابلہ کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ فقط

ہلڈی بازار بمبئی

خط پڑھتا تھا کہ آفت آگئی ہاتھ پیرون کی قوت سلب ہوگئی - دل میں کہتا تھا افسوس میری زندگی بھی کس قدر منحوس ہے بیچین ہو کر کہتا

بتا اے خالق ارض و سما کس کام آئیگی
مری ہستی کہ اک دھبا سا ہے دنیا کے دامن میں　　(عزیز)

کمبخت نے غضب کیا - نورجہان کو کیا ہلاک کیا گویا میرا خاتمہ کر دیا وہ تو شروع ہی شب سے ہنا رہے تھے - نیند کا نہ آنا - طبیعت کا بے طرح گھبرانا اس بات کا پیش خیمہ تھا کہ ضرور کوئی نہ کوئی آفت نازل ہوگی - اس صندوق مین نورجہان کی نعش معلوم ہوتی تھی خط جلدی مین گر پڑا دغاباز نے خط بمبئی سے لکھا ہے - مگر کہین جال تو نہین ہے لفافہ کی مہر پڑھکر مہر بھی بمبئی کی ہے - یہان کا پتہ تحریر ہے - ناصر قیصر ہوٹل امین آباد لکھنؤ -

افسوس ہاشمہ نے کہا تھا - آپ مطمئن رہیئے نورجہان کو کوئی تکلیف نہ ہوگی - مگر وہ بیچاری کیا کر سکتی تھی - ممکن ہے کہ راز معلوم ہو گیا ہو اور اسکو بھی ہلاک کر ڈالا ہوئے

محبت نے جوش مارا تو بچون کی طرح چیخین مار مار کر رونے لگا - جب طبیعت کچھ ہلکی ہوئی تو کہنے لگا "یہ سب کچھ ہے مگر مجھ کو اس واقعہ کی سچائی مین شک ہے صرف دلاور نے مجھکو دھمکی دینے کی غرض سے یہ جال بچھایا ہے - مگر ایک بات ہے کئی مرتبہ اُس کی قید سے ہم لوگ نکل گئے - غصہ مین آکر اگر اُس نے یہ حرکت کی تو کوئی تعجب کی بات نہین "

انھین خیالات مین غلطان پیچان ہے کہ سفیدۂ صبح نمودار ہوا - اٹھکر کپڑے پہنے سیدھا کوتوالی پہونچا - انسپکٹر صاحب ابھی سو کر بھی نہ اُٹھے تھے خود بیدار کیا وہ گھبرا کر کہنے لگے -

انسپکٹر صاحب - کیون خیریت تو ہے آپ اسقدر پریشان کیون ہین - اتنے سویرے کہان آنا ہوا ابھی تو اندھیرا ہے -

ظفر حسین کے آنسو جاری ہوگئے سب واقعہ بیان کر کے خط دیا - انسپکٹر صاحب نے کئی مرتبہ خط پڑھا اور کہنے لگے -

انسپکٹر صاحب - تعجب ہے کہ آپکا ایسا سمجھدار آدمی صاف دھوکا کھا جائے بس فقط وجہ یہ ہے کہ آپکو نورجہان سے اسقدر محبت ہے کہ دل نے ایسی لغو بات کا یقین کرا دیا -

ظفر حسین - مین بھی یہ خیال کرتا ہون کہ ممکن ہے کہ دلاور کی یہ شاطرانہ چال ہو - مگر

پھر یہ خیال آتا ہے کہ ہم لوگوں سے عاجز آکر دلاور نے یہ فعل کیا ہو تو کوئی تعجب نہیں۔
انسپکٹر صاحب - میں تو خیال کرتا ہوں کہ یہ بالکل غلط ہے۔
ظفر حسین - خط بمبئی سے لکھا گیا ہے۔
انسپکٹر صاحب - لائیے لفافہ مجھ کو دکھائیے۔
ظفر حسین - (لفافہ دیکر) خدا کرے یہ سب واقعہ جھوٹ ہو ورنہ بڑا غضب ہوگا۔
انسپکٹر صاحب - (لفافہ کا پتہ پڑھکر) چلیئے امین آباد ہوٹل میں دریافت کریں کہ ناصر نامی کوئی شخص مقیم تھا۔
دونوں آدمی اٹھے تانگہ پر بیٹھکر سیدھے قیصر ہوٹل پہونچے منیجر سے بھی ملاقات ہوگئی۔
ظفر حسین - آپ اس ہوٹل کے منیجر ہیں۔
منیجر - جی ہاں فرمایئے کیا کام ہے۔
ظفر حسین - آپکے یہاں کوئی صاحب ناصر نامی مقیم تھے۔
منیجر صاحب نے رجسٹر اٹھا کر دیکھا اور کہنے لگے۔
منیجر صاحب - وہ یہاں دو دن مقیم رہے۔ کل ایک خط آیا جسکے دیکھتے ہی انھوں نے ہوٹل چھوڑ دیا۔
ظفر حسین - (لفافہ دکھا کر) دیکھئے یہ خط تھا۔
منیجر صاحب (پہچان کر) جی ہاں یہی خط تھا۔
انسپکٹر صاحب کو بھی اب کچھ پریشانی ہوئی ظفر حسین کا چہرہ متغیر ہوگیا۔ دونوں آدمی پھر کوتوالی پہونچے۔
انسپکٹر صاحب - اسمیں کوئی شک نہیں کہ واقعہ کی سچائی کے ثبوت میں یہ باتیں کافی ہیں مگر میں یہی کہونگا کہ یہ سب جعل فریب ہے۔ دلاور کے نزدیک ان واقعات کا پیش کر دینا کوئی مشکل بات نہیں۔
ظفر حسین - ایک بات اور ہے اگر واقعہ سچا ہوتا تو کیا ضرور تھا کہ یہ لوگ نعش لیکر زرد کوٹھی کی طرف سے گذرتے۔
انسپکٹر صاحب - میرے خیال میں جہاں وہ لوگ صندوق لیکر غائب ہوگئے تھے

وہان بھی ذلاور کی کوئی قیام گاہ ہے۔ بہتر ہے کہ آپ وہان جاکر دریافت کیجئے مین بھی وہین آتا ہون۔

ظفر حسین کو یہ رائے پسند آئی۔ فوراً وہان پہونچکر تلاش کرنا شروع کیا۔ مگر کوئی مقام ایسا نہ ملا جہان یقین کر لیا جاتا کہ وہ لوگ یہان غائب ہو گئے۔ اب ظفر حسین کو ایک خیال اور پیدا ہوا کہ موضع پارہ جہان ذلاور نے مجھ کو اور انسپکٹر صاحب کو قید کیا تھا وہان چلنا چاہیئے ممکن ہے کہ ماشمہ سے ملاقات ہو جائے تو سب واقعہ معلوم ہو جاویگا۔ اگر کوئی واقعہ بھی ہوگا تو کچھ حرج نہین۔

یہ خیال کرکے تانگہ پر بیٹھکر تال کٹورے کی کربلا کی طرف روانہ ہو گیا۔ وکٹوریا گنج مین پہونچکر جہان پر کہ ایک سڑک عیش باغ سے آکر اس سڑک سے ملتی ہے دیکھا کہ ایک موٹر سامنے سے آرہی ہے۔ ظفر حسین فوراً تانگہ پر سے اُتر پڑا غور سے دیکھا تو لکھنؤ کے مشہور ڈاکٹر ہیر چند اس صاحب موٹر پر بیٹھے ہوئے آرہے ہین۔ جب موٹر قریب پہونچی تو اشارہ سے موٹر روک لینے کو کہا۔ ڈاکٹر صاحب خلقی طور سے نہایت نیک مزاج تھے فوراً موٹر روک کر کہنے لگے "کیون کیا کام ہے"

ظفر حسین ۔ میری اس گستاخی کو معاف فرمایئے گا۔

ڈاکٹر صاحب ۔ نہین نہین میرا کیا نقصان ہو گیا۔ آپ کام بتائین۔

ظفر حسین ۔ آپ ادھر کس غرض سے گئے تھے۔

ڈاکٹر صاحب ۔ (مسکرا کر) یہ عجیب قسم کا سوال ہے آپ بہت گھبرائے ہوئے معلوم ہوتے ہین۔ مگر اطمینان رکھئے جو کچھ بھی دریافت کیجئے گا بتاؤنگا مین ایک مریض کو دیکھنے گیا تھا۔

ظفر حسین ۔ مریض کہان ہے۔

ڈاکٹر صاحب ۔ ایک باغ مین جو یہان سے قریب ڈیرہ فرلانگ کے فاصلہ پر داہنی جانب ہے۔

ظفر حسین ۔ صرف اتنا اور بتا دیجئے کہ مریض کا حلیہ کیا تھا۔ آیا وہ اکیلا تھا یا اُس کے ہمراہ کچھ آدمی تھے۔

ڈاکٹر صاحب ۔ آپ تو پولس کی طرح مجھسے جرح کر رہے ہین۔ خیر یہ بھی بتائے دیتا ہون مریض کا رنگ کھلتا ہوا تھا۔ بڑی بڑی مونچھین اکہرا بدن سڈول۔ عمر قریب ۴۰ سال کے

تھی مریض کو درد ابرو کی شکایت تھی جسکا طبی نام عصابہ ہے اور انگریزی میں ٹک ڈولورو Tiedouloareux کہتے ہیں۔ یہ مرض سردی لگنے۔ ملیریا یا بدہضمی وغیرہ سے ہو جاتا ہے مریض اکیلا تھا صرف ایک لڑکی ۸ یا ۹ سال کی تھی۔ مجھ کو ڈبل فیس دی گئی۔ دوائی میں نے خود مریض کو پلائی۔ اب وہ بالکل اچھا ہے۔ کیوں جناب اگر کچھ اور دریافت کرنا ہو تو وہ بھی پوچھیے۔

ظفر حسین۔ میں اس زحمت دہی کی معافی چاہتا ہوں۔

ڈاکٹر صاحب نے موٹر بڑھائی۔ ظفر حسین سوچتا ہوا چلا۔

"اس میں کوئی شک نہیں وہ مریض دلاور ہے اور لڑکی شمیمہ ہے بس وہیں چلنا چاہیے سب واقعہ معلوم ہو جاویگا۔ اگر گرفتار ہو گیا تو بھی شمیمہ کی وجہ سے رہائی کی امید ہے۔ اگر خدانخواستہ نور جہاں والا واقعہ ٹھیک ہے تو دلاور نے مجھکو ہلاک بھی کر ڈالا تو کوئی غم نہیں اب میں ڈیڑھ فرلانگ نکل آیا۔ یہ سوچکر داہنی جانب مڑا ایک خام سڑک ملی قریب ۲۰ گز اس سڑک پر چلا ہو گا کہ سامنے ایک پھاٹک دکھائی دیا۔

پھاٹک میں داخل ہوا تو واقعی میں ایک وسیع باغ قریب ۳ فرلانگ کے رقبہ میں پھیلا تھا مختلف قسم کے میوہ دار درختوں سے بھرا ہوا تھا۔ ظفر حسین نے ایک روش پر چلنا شروع کیا۔ ابھی تھوڑا ہی راستہ طے کیا ہو گا کہ دیکھا سامنے سے شمیمہ چلی آ رہی ہے۔ مگر عجب انداز سے آج نہ جھک کر سلام کیا نہ وہ مسکراتا ہے۔ بلکہ تیوریوں پر بل پڑے ہوئے ہیں۔ قریب پہونچکر کہنے لگی۔

شمیمہ۔ آپ نے مجھپر بہت خفگی کھلوائی۔ ماموں جان مجھسے بہت ناراض ہیں۔

ظفر حسین۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں قید میں نہیں رہ سکتا صرف ایک بات دریافت کرتا تھی چلا آیا۔ اگر تم نہ بتاؤ گی تو دلاور ہی سے دریافت کر لونگا۔

شمیمہ۔ کونسی بات۔

ظفر حسین۔ یہ بتاؤ نور جہاں کہاں ہیں۔

نور جہاں کا نام سنکر شمیمہ خاموش ہو گئی چہرہ اداس ہو گیا۔ آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

شمیمہ۔ اب نور جہاں بیگم کو بھول جائیے۔ ماموں جان نے بڑا غضب کیا مجھکو بھی حد درجہ کا

صدمہ ہوا۔ تا کہ وہ مجھ سے نفرت کرتی تھین۔ مگر پھر بھی مجھکو اُن سے اس قسم کی محبت ہوگئی تھی۔ علاوہ اسکے اب تو مجھ سے بھی باتین کرنے لگی تھین۔ جب اُنکو نیند نہ آتی تھی تو مین کہانیان کہتی تھی جسکی وجہ سے سو جاتی تھین۔ دلاور کا ایک خط ماموں جان کے نام آیا تھا۔ بس اوسکو پڑھکر نورجہان بیگم کو مار ڈالا۔ مین رونے لگی تو مجھکو بھی کئی تھپڑ مارے خدا کی قسم خیال کرنے سے دل پھٹتا ہے۔

یہ سنکر ظفر حسین کی عجیب حالت ہوگئی شمیمہ نے اس طریقہ سے بیان کیا کہ ظفر حسین کو نورجہان کی موت کا پورا یقین ہوگیا۔ پیرون کے نیچے سے زمین نکل گئی ابھی تک تو صرف شبہ ہی تھا مگر اب جو یکایک صدمہ پہونچا تو دماغ پریشان ہوگیا آنکھون کے نیچے اندھیرا چھا گیا دل پکڑ کر زمین پر بیٹھ گیا۔ آہ کی اور ایک چیخ مارکر بیہوش ہوگیا۔

آنکھ کھلی تو اپنے کو ایک تہخانہ مین پایا۔ بجلی کی روشنی ہو رہی تھی اٹھکر بیٹھا تو سامنے دلاور کو کھڑے ہوئے پایا مگر عجیب حالت سے چہرا غصہ سے سرخ ہو رہا ہے۔ آنکھین لال ہو رہی ہین۔ نہایت سخت آواز مین کہنے لگا۔

دلاور۔ ظفر حسین ابھی تک ٹال رہا تھا مگر اب تمھاری خیر نہین۔ معلوم ہوگیا کہ تمھاری عمر کا پیمانہ چھلک گیا۔ نورجہان کا تو مین نے خاتمہ کردیا۔ اب تمکو بھی انھین کے پاس روانہ کیے دیتا ہون۔ مین تم سے پہلی ہی ملاقات مین تم سے کہہ چکا تھا کہ اگر تم مجھکو ستائے جاؤگے تو مین نورجہان کو ہلاک کر ڈالونگا۔ تم نے جھوٹ خیال کیا۔ نتیجہ جو کچھ ہوا دیکھ لیا۔ اس امید مین رہ گئے کہ "طلسمی برج" کا پتہ معلوم ہوجاتے دلاور کو گرفتار کرلون۔ مین نے تمھاری ذہانت کی تعریف کیا کردی کہ تم کو اپنے اوپر غرہ ہوگیا کہ مین دلاور پر فتحمند ہونگا۔ مین سچ کہتا ہون کہ اگر تم اسی طرح ہزارون میری فکر مین رہتے تو دل کی آرزو دل ہی دل مین رہجاتی بھلا تمھاری کیا حقیقت تھی کہ تم مجھکو یا کسی میرے ساتھی کو گرفتار کرسکتے تمکو ہرگز نہین معلوم کہ مین کیا ہون۔ اگر اپنی زندگی کے واقعات تفصیل سے بیان کرون تو تمھاری آنکھین کھلجاوین اور معلوم ہوجاوے کہ مین کس پیمانہ کا آدمی ہون۔ چونکہ میرے پہلو مین ایک شریف دل ہے۔ اس لئے یہ چاہتا تھا کہ تم کو کسی قسم کا نقصان پہونچاؤن ورنہ تم ہر وقت میرے بس مین تھے جب چاہتا تمھارا خاتمہ کردیتا۔ اب تک تو مین مذاق کرتا تھا مگر اب تم پریشان کرنے لگے تھے۔

یہی ذہانت جسپر تمکو ناز تھا تمھاری ہلاکت کا باعث ہوئی۔ کیون تم خوف سے کانپ رہے ہو

مگر میں نورجہاں کی موت کے صدمہ سے تم کو جو اطلاع کا بخار چڑھ رہا ہے ۔ صدمہ سے کیا فائدہ
تمہارے رونے سے وہ زندہ نہیں ہو سکتیں اگر ملنا چاہتے ہو تو تمہارا پارسل بھی بہت جلد ملک
عدم کو روانہ کر دیا جاوےگا ۔ صرف اتنا رہ گیا اور دیکھتا ہوں کہ خیام سندر صاحب بھی آ کر
دیکھیں کہ دلاور سے مقابلہ کرنیکا کیا نتیجہ ہوتا ہے ۔ تم لوگ کئی مرتبہ میری قید سے رہائی
پا چکے ۔ میں نے معمولی طور سے غور کیا مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا ۔ دو دن سے میں بیمار تھا کچھ زیادہ
فکر نہ کر سکا آج میں اپنی جگہ اسوقت تک نہ چھوڑونگا کہ معاملہ کی تہہ تک نہ پہونچ جاؤں ۔ مجھے
اپنے دماغ سے کافی امید ہے کہ وہ واقعات کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پیش کر دے ۔

اچھا اب جاتا ہوں آج کا دن اور رات تم اس قیدخانہ میں گذارو کل تمہارا کافی انتظام
کروں گا ۔ اور یہ بھی بتا دونگا کہ بار بار تم میری قید سے کس طرح نکل گئے ۔

یہ کہکر دروازہ کھولا اور غائب ہو گیا ۔

ظفر حسین کی حالت ناگفتہ بہ تھی اسوجہ سے نہیں کہ اسکو موت کی دھمکی دی گئی ہو بلکہ نورجہاں
کی موت کا یقین ہونے سے بالکل بدحواس ہو رہا تھا ۔

لاکھ لاکھ چاہتا تھا کہ بیتاب دل ٹھہرے مگر توبہ کہیں ایسی حالت میں قرار آ سکتا ہے ۔
جب روتے روتے ایک گھنٹہ گذر گیا تو دیکھا جس دروازہ سے دلاور گیا تھا کھلا اور
ایک پرچہ زمین پر گرا پڑا ۔ اٹھا کر پڑھنا شروع کیا ۔ لکھا تھا ۔

ظفر حسین صاحب آپ کچھ اندیشہ نہ کریں نورجہاں "طلسمی برج"
میں مقید ہیں میں نے چاہا تھا کہ وہ کتاب جس میں طلسمی برج کا راز تحریر ہے
دستیاب ہو جائے اسوجہ سے ابتک کچھ نہ بتایا تھا ۔ لہذا مختصر طور سے "طلسمی
برج کا پتہ تحریر کئے دیتی ہوں ۔ ذیل کے نقش کو ملاحظہ فرمایئے ۔

۲۰۰	۵۰	۳	ر
	۵۰	۲۰	۳۰۰
		۱۰	۴۰۰

۶۴ — ۲۰۳ ۳ + ک ت ت ت ۲۰ + ل ۴۳۴

(۱) اوپر کے ہندسوں سے جو کچھ مطلب ہے اُس سے آپ اچھی طرح واقف ہو گئے ہیں یعنے "رنجیت نگر طلسمی برج" رنجیت نگر لکھنؤ میں جہاں مسجد شکستہ شدہ ہے اُس میدان کو کہتے ہیں اسکی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ لکھنؤ میں جب شیخ زادگان کی حکومت کا زمانہ تھا تو ایک شیخ رنجیت ناتھ نے یہ مقام آباد کیا تھا یہ واقعہ ۱۰۰۰ھ کا ہے جب سے یہ مقام رنجیت نگر کہلاتا ہے۔ مگر رفتہ رفتہ یہ نام صفحہ زمانہ سے ایسا مٹا کہ شاذ ہی کوئی ایسا ہو جو اس نام سے واقف ہو۔ اور یہ جانتا ہو کہ رنجیت نگر لکھنؤ میں کس جگہ واقع ہے۔

(۲) اس میدان میں ایک پختہ تالاب ہے یہ بھی اُسی زمانہ کا بنا ہوا ہے۔ تالاب کے اعداد ۴۳۴ ہو گئے۔

۴۳۴ سے مراد تالاب ہے۔

(۳) حروف (ل) کے ۳۰ ہوئے اگر اُس میں ۲ اور ملا دیں تو ۳۲ ہو جاتے ہیں اُس تالاب کے جانب مشرق ایک بلند لانبا ٹیلہ پہاڑ کی شکل کا دور تک چلا گیا ہے جسکو کالا پہاڑ کہتے ہیں۔ یہ ٹیلہ لکھنؤ میں بہت مشہور ہے۔

(۴) ۶۳۷ میں سے ۲۰۳ نکال ڈالیے ۴۳۴ باقی بچتے ہیں ۴۳۴ سے بحساب ابجد حسین شاہ بنتا ہے یہ لکھنؤ میں ایک بہت بڑے فقیر گذرے ہیں جنکا مقبرہ کالے پہاڑ کے بائیں جانب ہے۔

(۵) حروف (ک) کے ۲۰ ہوتے ہیں اگر ۱۲ اور ملا دیجئے ۳۲ ہو جاوینگے۔

(۶) اب اگر پختہ تالاب کے ۳۲ گز جانب مشرق اُس کالے پہاڑ پر جائیے گا تو حسین شاہ کا مقبرہ اُس مقام سے داہنی جانب ۳۲ گز کے فاصلہ پر پہنچاوینگا۔

(۷) ٹھیک اُسی مقام پر کالے پہاڑ پر ایک گنجان چھوٹے درختوں کی جھاڑی ہے یوں تو اس ٹیلہ پر بہت سی جھاڑیاں ہیں مگر خاص اُس جھاڑی کے نیچے جسکا میں نے پتہ دیا ہے ایک پتھر زمین میں پیوست نظر آئیگا۔

بظاہر یہ پتھر دیکھنے میں بہت چھوٹا معلوم ہوتا ہے مگر بہت دور تک زمین کے نیچے چلا گیا ہے اُس پتھر کو نکالئے گا تو ایک سرنگ ملیگی یہاں پر یہ بات قابل غور ہے کہ آپکو کئی سرنگیں ملینگی جیسا کہ میں آپ سے ایک مرتبہ کہہ چکی ہوں کہ دلاور نے اپنی حدت طبع سے لکھنؤ میں جتنی قیام گاہیں اُن سے اس سرنگ کو دوسری سرنگوں سے ملا دیا ہے۔ جو

سرنگ جانب مشرق گئی ہے اُس سرنگ سے "طلسمی برج" کو راستہ گیا ہے قدم قدم پر مصیبت کا سامنا ہوگا۔ مگر نہایت احتیاط سے کام کیجئے گا۔

دلاور نے مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ آپکو بھی "طلسمی برج" مین مقید کرے واقعی امر یہ ہے کہ وہان سے آپکی رہائی مشکل تھی کیونکہ وہان میری مدد بھی کچھ کام نہ آسکتی ہر وقت کوئی نہ کوئی وہان رہتا ہے۔

اس تہ خانہ مین جہان کہ آپ قید کئے گئے ہین اسکے دہنی جانب دیوار مین ایک کھڑکی ہے جسکے بائین پٹ پر ایک سانپ کی شکل بنی ہے اُسپر ہاتھ رکھکر زور کیجئے گا تو کھڑکی کھل جائیگی۔ اب آپکو ایک کمرہ ملیگا اسکے سامنے کا دروازہ مین نے کھولدیا ہے اُس سے نکلکر پھر ایک سرنگ ملیگی جسکے سرے پر پہونچکر سیڑھیان ملینگی۔ جو ایک پختہ بوسیدہ مکان مین پہونچا دینگی۔ بس اُس مکان سے آپ باہر نکل سکتے ہین۔ اچھا خدا حافظ اگر زندہ رہی تو طلسمی برج مین ملاقات ہوگی۔ نورجہان بھی آپکو وہین ملینگی۔

اس خط کو پڑھکر جو کچھ خوشی ظفر حسین کو ہوئی اسکو لکھنا گویا طول مین داخل ہے۔ ناظرین خود خیال فرمالین کہ نورجہان کی خیریت بھی معلوم ہوگئی۔ طلسمی برج کا پتہ بھی لگ گیا دلاور کی قید سے بھی رہائی پائی۔ بھلا اس خوشی کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔

ظفر حسین نے ہاشمہ کی تحریر کے مطابق عمل کیا اور اُس زندان بلا سے نجات پائی۔

مذاق دلگدازی جبکہ رنگ بزم عالم ہے
تو پروانون کو شمع کشتہ کے ماتم سے کیا مطلب
(رمز)

باب شانزدہم

ہوگئے بیہوش خود اور طور سینا جل گیا
شوق مین دیدار کے موسیٰ کو جا ہی نہ تھا
(رمز)

طلسمی برج

ظفر حسین۔ انسپکٹر صاحب جب مجھکو یہ خط ہاشمہ کا ملا تو مجھے خوشی کی کچھ انتہا نہ تھی۔

انسپکٹر صاحب۔ کیوں نہیں جس قدر بھی ہم لوگ خوش ہوں کم ہے۔
ظفر حسین۔ اچھا جناب اب حملہ کی تیاری کیجیے۔
انسپکٹر صاحب اسی لئے سیدھے سپرنٹنڈنٹ صاحب کے یہاں پہونچے واقعہ کی اطلاع کی اور مدد (مسلح) پولس کو لیکر شتر مرغ کے میدان میں پہونچے ظفر حسین نے کالے پہاڑ پر پہونچکر وہ جھاڑی تلاش کی جسکے نیچے پتھر تھا۔ پتھر کھود اگیا تو ایک بہت بڑا غار نظر آیا سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ بسم اللہ کہکر سب لوگ اترے دیکھا کہ متعدد سرنگیں بنی ہوئی ہیں لیکن ہاشمہ کے نوشتہ کے مطابق جانب مشرق جو سرنگ تھی اسمیں برقی لیمپ روشن کے سب لوگ بڑھے تھوڑی ہی دور گئے ہونگے کہ ایک جگہ ہاشمہ کو دیوار کے سہارے کھڑے ہوئے دیکھا ظفر حسین نے قریب پہونچکر خوشی میں ہاشمہ کا ہاتھ پکڑا ہاتھ پکڑنا تھا کہ اوندھے منھ زمین پر گر پڑی فوراً انسپکٹر صاحب نے اٹھایا اور ایک چیخ مارکر کہا "ظالم نے غضب کیا ہاشمہ کو ہلاک کر ڈالا"۔
ظفر حسین۔ افسوس ہاشمہ کی ہلاکت کا باعث ہم ہی لوگ ہوئے۔ نعش نکالکر باہر رکھی گئی سب لوگ پھر آگے بڑھے سرنگ کی زمین لکڑی کی بنی ہوئی تھی دیکھا سامنے سے دو آدمی برچھے لئے دوڑے چلے آرہے ہیں فوراً انسپکٹر صاحب نے فیر کیا۔ ایک آدمی گر پڑا مگر گرتے ہی پھر اٹھا۔ اور اسی طرح ہاتھ میں برچھا لئے ہوئے دوڑا اب تو لوگوں کو خوف معلوم ہوا مگر ظفر حسین اصلیت سمجھ گیا اور اس طرح کہنے لگا "بات یہ ہے یہاں کی زمین لکڑی کی ہے اور ہم لوگوں کی طرف ڈھال ہے۔ یہ آدمی اصلی نہیں بلکہ بنے ہوئے ہیں رنگ و روغن انپر اس طرح پھرا ہوا ہے کہ اصلی معلوم ہوتے ہیں جب ہم لوگ بڑھتے ہیں تو ہماری طرف دوڑتے ہیں۔ سب لوگ اس صنعت کی تعریف کرتے ہوئے آگے بڑھے ایک جگہ سرنگ میں گڑھا بنا ہوا تھا جس میں پانی ابل رہا تھا۔ دیوار میں زنجیر لٹک رہی تھی اسکو کھینچا تو سب پانی غائب ہو گیا۔ دیکھا کہ گڑھے کے درمیان ایک سوراخ ہے جسپر ایک چھوٹا سا لوہے کا تار رکھا ہوا تھا مگر اب وہ ہٹ اور سوراخ کھلجانے کی وجہ سے سب پانی اسمیں چلا گیا ہے کچھ دور آگے بڑھنے پر معلوم ہوا کہ سرنگ کا خاتمہ ہے بائیں جانب ایک کوٹھری ہے جسکا دروازہ کھلا ہوا ہے کوٹھری بیضاوی شکل کی ہے اور زمین لوہے کی تھی۔ سب لوگ اسمیں داخل ہوئے۔ ظفر حسین پیچھے رہ گیا۔ دل میں خیال کر رہا ہے

کہ اس مین کوئی نہ کوئی بات ہے ابھی پورا منٹ بھر بھی نہ ہوا ہوگا کہ کوٹھری کی زمین کو دو ایک مرتبہ جنبش ہوئی اور پھر چکی کی طرح گردش کرنے لگی۔ ایک پر ایک گر پڑا۔ کسیکا پیر کسیکا سر عجیب حالت ہو رہی ہے بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے حالت طغیانی مین دریا بھنور مین پھونس پڑ رہا ہو۔

انسپکٹر صاحب جو ظفر حسین کے برابر کھڑے ہوئے تھے فوراً بڑھے اور کوٹھری کی چھت پر ایک کیل کو دیکھا کہ کبھی باہر نکلتی ہے اور کبھی غائب ہو جاتی ہے۔ اسکو پکڑ کر کھینچ لیا۔ تو وہ بھان متی کا تماشہ رکا لوگ اٹھے۔ مگر حواس قائم نہ تھے کچھ دیر بعد جب حواس ٹھکانے ہوئے تو ظفر حسین نے راستہ سوچنا شروع کیا۔ کوٹھری کی دیوار مین ایک الماری تھی اسکو کھولا پردہ پڑا ہوا تھا اسکو اٹھایا تو ایک اور سرنگ ملی۔ تھوڑی ہی دور اس سرنگ مین چلے ہونگے کہ شیر کے ڈکارنے کی آواز آئی سامنے دیکھا تو شیر کھڑا ہوا ہے دم ہل رہی ہے۔ آنکھین چمک رہی ہین پہلے تو کچھ خوف معلوم ہوا مگر غور کرنے سے ظاہر ہو گیا یہ بھی مثل ان دونون ربڑ کے آدمیون کی طرح ہے جو پہلے ملے تھے شیر کے پاس سے نکل گئے اب یہ بھی سرنگ ختم ہو گئی۔ بائین جانب کمرہ تھا مگر دروازہ بند تھے یکایک درمیانی دروازہ کھلا اور نور جہان گھبرائی ہوئی نکلی۔ ظفر حسین دیکھکر شاد شاد ہو گیا۔ قریب تھا کہ شادی مرگ ہو جائے۔

نور جہان۔ دلاور مع اپنے کل ساتھیون کے طلسمی برج کے برابر ایک دالان ہے وہان بیٹھا ہوا ہے۔ مگر اسکو کوئی خوف نہین مجھ کو خود اس نے بھیجا ہے کہا ہے کہ مین سب لوگون سے جا کر کہدون کہ خبردار یہان آنے کا قصد نہ کرنا۔ ورنہ خیریت نہین۔

یہ سنکر ظفر حسین سے سب انسپکٹر نے کہا " یہ فقط اسکی دھمکی ہے اب وہ ہمارا کیا کر سکتا ہے۔ تھوڑی دیر مین گرفتار ہوا چاہتا ہے طلسمی برج پر ہمارا قبضہ ہوگا۔"

ظفر حسین نور جہان کو باہر لایا ایک موٹر پر بٹھایا کچھ سپاہیون کی حفاظت مین چھوڑ کر پھر سب آدمیون سے آکر مل گیا سب آدمی کمرے مین داخل ہوئے۔ یہان بجلی کی روشنی ہو رہی تھی۔ ایک دروازہ سا کھلا ہوا تھا سب نے دیکھا کہ سامنے ایک چھوٹا سا میدان ہے جسکا فرش سنگ مرمر کا ہے درمیان مین قریب ۲۰ گز قطر کا ایک گول طلائی چبوترہ ہے جسپر ایک سونیکا مربع برج نہایت تیزی سے گردش کر رہا ہے گو کہ اس میدان مین بجلی کی

روشنی بالکل نہ تھی مگر اس برج مین اسقدر جواہرات لگے تھے کہ تمام میدان منور ہو رہا تھا۔ برج جواہرات کی ضو سے اسقدر چمک رہا تھا کہ کسی کی نظر نہ جمتی تھی معلوم ہوتا تھا کہ آفتاب روشن ہے جو نظرون کو خیرہ کئے دیتا ہے۔

سب لوگ عالم حیرت مین بیخود ہو کر "طلسمی برج" کو دیکھ رہے ہین کہ ظفر حسین نے کہا۔

ظفر حسین ۔ یہ وقت ایسا نہین کہ ضایع کر دیا جائے دیکھو وہ سامنے طلسمی برج کے داہنی جانب دالان مین دلاور مع اپنے ہمراہیون کے بیٹھا ہوا ہے سب نے فوراً اپنے پستول درست کئے اور اس دالان کی طرف بڑھے۔

یکایک دلاور مع اُٹھا جسکے ساتھ ہی سب چیلے اُٹھے ایک کوٹھری مین چلے گئے۔ یہ لوگ بھی دالان مین جھپٹکر پہونچے اس خیال سے کہ طلسمی برج پر تو قبضہ ہو ہی گیا ہو۔ دلاور کو گرفتار کر لینا چاہیئے۔

یہ لوگ کوٹھری مین جس مین دلاور چلا گیا تھا داخل ہوئے تو ایک سرنگ نہایت تیرہ و تار ملی سب نہایت تیزی سے سرنگ مین جا رہے ہین کہ گھڑ گھڑ کی آواز آئی نظر اُٹھا کر دیکھا تو پانی کا ایک دھارا چلا آ رہا ہے۔ معاذ اللہ اسوقت عجیب حالت ہوگئی گھبرا کر سب پلٹے دو ایک آدمیون کے گھبراہٹ مین پیر پھسل گئے جنکو آنے والے پانی کا کفن نصیب ہوا۔ فوراً باقی ماندہ لوگ پلٹے مگر طلسمی برج کے قریب پہونچے تو پانی بھی ان سب آدمیون کے قریب پہونچگیا ایک دوسرے کی کسی کو خبر نہ تھی جلد سے جلد اُن سرنگون کو طے کرتے ہوئے جن سے داخل ہوئے تھے باہر نکلے پانی تھا کہ بلا کی طرح پیچھا کرتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ تمام سرنگین دم کے دم مین پانی سے بھر گئین۔ اگر باہر نکلکر مضبوطی سے سرنگ کا منھ پتھر سے نہ ڈھک دین تو پانی باہر نکلنے لگے یہان پہونچکر حواس درست ہوئے کسی کے پیر بھیگ گئے تھے کسی کے گھٹنون گھٹنون پانی پہنچگیا تھا۔ ابھی اچھی طرح حواس بھی قائم نہ ہوئے تھے کہ جس پتھر سے غار کا منھ ڈھکا ہوا تھا اُس کو پانی کے پر زور دھارے نے الگ کیا اور پانی طوفان نوح کی طرح مثل تنور کے اُس غار سے نکلنے لگا تھوڑی ہی دیر مین سوائے پانی کے اور کچھ اُس میدان مین دکھائی نہ دیتا تھا ؎

پانی تھا اسکی ذات تھی یا آسمان تھا

سب لوگ گھبرائے ہوئے عالم نگر کے اسٹیشن پر پہونچے ایک قلی نے گھبرایا ہوا دیکھکر پوچھا۔

قلی ۔ آپ لوگون مین سے ظفر حسین صاحب کسکا نام ہے۔

ظفر حسین۔ کیوں کیا کام ہے۔
قلی۔ تھوڑی دیر ہوئی یہاں آکر ایک موٹر کھڑی ہوئی ایک آدمی نے مجھ کو بلا کر دو روپیہ دیئے اور کہا کہ یہاں کچھ لوگ گھبرائے ہوئے آئینگے اُن میں سے ظفر حسین کو دریافت کرکے یہ خط دیدینا۔

ظفر حسین نے لفافہ لیکر چاک کرکے خط بآواز بلند پڑھنا شروع کیا۔

ظفر حسین افسوس تمھاری وجہ سے۔ دہلی۔ بنگال۔ بہار۔ اور شاہان اودھ کا خزانہ برباد ہوگیا۔ آج تم کو مکمل تاریخ "طلسمی برج" کی سناتا ہوں۔ خوب غور سے پڑھو پھر یہ بتاؤ نگا کہ اب اسکا کیا حشر ہوا۔

سلطنت اودھ کی بنیاد اور پہلا فرمانروا

تمام مورخین کا قول ہے کہ اودھ کے فرمانروا عجمی نسل کے تھے۔ پہلا فرمانروا اس سلطنت کا ایک شخص محمد امین نامی نجیب الطرفین حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا۔ سید محمد امین جس زمانہ میں نیشاپور سے دہلی پہونچے تو بادشاہ فرخ سیر کی حکومت کا دور تھا دربار میں سادات بارہہ کا طوطی بول رہا تھا اسلئے آگرہ کی فرمانروائی محمد امین کو ملی۔

(۱) سعادت خاں (برہان الملک) ۱۷۲۲ء

چونکہ سلطنت مغل کا زوال شروع ہوگیا تھا ہر صوبہ خودمختار ہوتا جاتا تھا اس زمانہ میں محمد شاہ رنگیلے دہلی کی سلطنت برائے نام چار کو بادشاہ رہگئے تھے۔ اسوقت لکھنؤ کے شیخوں نے بغاوت کا جھنڈا بلند کیا جنکی سرکوبی کیلئے نواب سید برہان الملک روانہ کئے گئے۔

برہان الملک پہلے کاکوری پہونچے۔ یہاں کے شیخوں کی مدد سے جو لکھنؤ والوں سے برخلاف تھے خاکر دیا۔ بغیر کسی لڑائی کے قبضہ ہوگیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اطراف کے اضلاع بھی فتح ہوگئے۔ اور زیر حکومت آگئے۔ اودھ کی سلطنت کا انتظام برہان الملک نے کچھ اس طرح کیا کہ رعایا خوش۔ زمیندار بحال۔ سوداگر بشاش غرضکہ صدم بھر میں امن وامان قائم ہوگیا۔ اس زمانہ میں لکھنؤ چند دیہاتوں سے ملکر بنا تھا جسکی آبادی صرف ۱۱۹۹۵ تھی چونکہ لکھنؤ کی سرزمین کو ایک دن اودھ کی دارالسلطنت ہونا تھا۔ اس لئے پہلے ہی سے اسکے سامان ہوگئے برہان الملک ۱۱۴۰ء میں بیمار رہے فیض آباد سے لکھنؤ میں آکر رہنے لگے۔

یہان کی آب وہوا نے مسیحائی کا کام کیا اور برہان الملک کو شفا ہوئی۔

چونکہ اس زمانہ مین ہر طرف بغاوت ہو رہی تھی ایک لوٹ مچی ہوئی اس روشن خیال فرمانروا نے چاہا کہ ایک ایسے خزانہ کی بنیاد ڈالنا چاہیئے جسکی خبر سوائے چند ارکین سلطنت کے اور کسی کو نہ ہونا چاہیئے۔ چنانچہ ایک نقش بتایا گیا جس سے اس خزانہ کا راز سوائے وارثان سلطنت کے اور کسی کو نہ معلوم ہو سکے سنہ ۱۱۲۷ھ مین خزانہ "طلسمی برج" کی بنیاد ڈالی گئی۔ اس زمانہ مین خزانہ بالکل معمولی حیثیت کا تھا رفتہ رفتہ اسکی ترقی کیونکر ہوئی یہ تم کو آگے پڑھکر معلوم ہوگا۔

ذی الحجہ کی آخری تاریخ سنہ ۱۱۵۱ھ کو برہان الملک نے ہمیشہ کے لئے دنیا ئے فانی کو چھوڑکر ملک عدم آباد کیا۔

(۲) صفدر جنگ ۱۷۳۹-۵۳ء

برہان الملک کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی اسلئے سلطنت کے دو دعویدار شیر جنگ (بھتیجے) اور صفدر جنگ (بھانجے و داماد) پیدا ہو گئے فتح صفدر جنگ کو ہوئی اسکا پدرانام محمد مقیم تھا اور جعفر خان بیگ کے بیٹے تھے۔ صفدر جنگ کی حکومت کا زمانہ نہایت بدامنی کا تھا۔ مگر پھر بھی صفدر جنگ نے ۹ کروڑ روپیہ کے جواہرات کی زیادتی خزانہ مین کی۔

لکھنؤ کے پکے پل کی بنیاد صفدر جنگ نے ڈالی تھی۔ مگر آصف الدولہ نے مکمل کیا فیض آباد صفدر جنگ ہی کا آباد کیا ہوا ہے۔ اکتوبر سنہ ۱۷۵۳ء مین انتقال کیا

(۳) شجاع الدولہ بہادر ۱۷۵۳-۷۵ء

انکا اصلی نام جلال الدین محمد مرزا اور خطاب شجاع الدولہ تھا برہان الملک کے نواسے اور صفدر جنگ کے بیٹے تھے۔ تاریخ ولادت یہ ہوئی۔

زدو تنخانہ نواب منصور
۱۱۴۴ھ
برآمد آفتاب از مطلع نور
۱۱۴۴ھ

انکا نیر اقبال بلندی پر تھا انھین کے زمانہ حکومت مین ہندوستان کی دولت اودھ مین اسطرح کھنچ آئی جس طرح مقناطیسی کشش سے لوہا کھنچ آتا ہے سلطنت مغل کا بالکل زوال ہو گیا تھا۔ دہلی کے فرمانروا شہزادہ شاہ عالم کی بغیر اجازت انگریزون نے جنگ

پلاسی ۱۷۵۷ء کے بعد میر جعفر کو بنگال کا صوبہ دار بنا دیا تھا یہ بات شاہزادہ عالم کو نہایت ناگوار ہوئی شجاع الدولہ کو ساتھ لیکر بنگال پر حملہ کیا۔ مگر شکست فاش ہوئی شاہ عالم کو خوف ہوا کہ خدا معلوم انگریز اب میرے ساتھ کیا سلوک کریں اس لئے دہلی چھوڑ کر اودھ میں رہنا شروع کیا۔

جب دہلی چھوڑ کر اودھ میں رہنا شروع کیا گو کہ ہمیشہ کے لئے بود و باش یہاں نہ رہی مگر پھر بھی اپنے تمام بیش بہا خزانہ اودھ میں لے آئے اور اپنا دوست سمجھکر شاہ عالم نے شجاع الدولہ کی سپردگی میں چھوڑے۔ اس طرح شجاع الدولہ کو ایک ایسی دولت کثیر ہاتھ لگی جو سیکڑوں برس سے شاہان دہلی پوشیدہ رکھتے آئے تھے اب خزانہ "طلسمی برج" میں روز افزون ترقی ہونے لگی اس دولت کے ملنے سے خزانہ میں چار چاند لگ گئے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ سوائے جواہرات کے اور کوئی چیز خزانہ میں نہ رکھی جاتی تھی۔ اگر ان جواہرات کی قیمت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے تو بس اس طرح سے کہ کوہ نور جسکی شہرت دنیا بھر میں ہے اسی خزانہ کا صرف ایک ہیرا تھا۔

۱۷۶۱ء میں انگریزوں نے میر جعفر کو کسی قابل خیال نہ کر کے میر قاسم کو بنگال کا صوبہ دار بنا دیا۔ کچھ دنوں تک تو میر قاسم انگریزوں کی موافقت کرتے رہے مگر پھر رفتہ رفتہ فرانسیسی فوج بھرنا شروع کی۔ جو حقوق صرف انگریزی تجار کو تھے وہ میر قاسم نے عام کر دیئے جسکی وجہ سے کمپنی کو نقصان پہنچا۔ میر قاسم تو چاہتے ہی تھے کہ انگریزوں سے بگاڑ ہو اسلئے یہ بہانہ ان کے ہاتھ آیا انگریز بھی لڑنے پر تیار ہو گئے۔ میر قاسم نے اودھ کی طرف رخ کیا۔ یہاں پہونچکر میر قاسم اور شجاع الدولہ نے فوج کی باقاعدہ درستی کی۔ اور کمپنی سے مقابلہ کے لئے چلے۔ انگریزوں سے مقام بکسر ۱۷۶۴ء میں مقابلہ ہوا اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلی لڑائی میں انگریزوں کو شکست ہوئی مگر یہ شکست ایسی نہ تھی جسکو شکست کہہ سکتے ہیں۔ میدان میں میر قاسم اور شجاع الدولہ اپنے جانبازوں کی نعشیں دیکھتے اور دفن و کفن کا انتظام کرتے خود نکلے ہر شخص کی نعش دیکھتے اور افسوس کرتے۔ تمام فوج بالکل بے خبر ہو کر اطمینان سے بیٹھ رہی کہ یکایک انگریزوں کی ہزیمت

سلہ بحر تاریخ ہند صفحہ ۳۶۲ سطر ۱۲

ہزیمت خوردہ فوج پچھے سمت آئی اور حملہ کر دیا۔ یہاں کوئی تیار ہی نہ تھا جب تک ہتھیار ٹھیک ہو گیا شکست فاش ہوئی

اب کیا تھا میدان سے پیر اکھڑ گئے سوائے بھاگنے کے اور کوئی چارہ نہوا۔ اس شکست سے شجاع الدولہ گھاٹے میں نہ رہے[1] بلکہ انھیں تین سو اسی ہاتھی جن پر مرشد آباد کی صدہا برس کی دولت اور کمائی بار تھی خزانہ اور زر و جواہرات خدا جانے کیا کیا نفائس تھے ہاتھ لگ گئے۔

کہتے ہیں کہ جب میر قاسم کی دعوت شجاع الدولہ نے کی تو اپنے پانی پینے کا گلاس اور رکھا اور میر قاسم کے لئے جواہرات سے مرصع ایک گلاس علیحدہ رکھا یہ گلاس اس قدر بیش قیمت تھا جسپر شجاع الدولہ کو ناز تھا میر قاسم کو کسی طرح یہ بات معلوم ہوگئی ہاتھ میں گلاس کو اس زور سے پکڑا کہ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ شجاع الدولہ نے زبان سے تو کچھ نہ کہا۔ مگر چہرہ متغیر ہو گیا۔ میر قاسم نے اپنے خزانہ دار کی طرف اشارہ کیا اور وہ چودہ ویسے ہی گلاس لیکر حاضر ہو گیا۔

اب خدا معلوم اُن تین سو اسی ہاتھیوں پر کیا کچھ نہ ہوگا۔ مرشد آباد خاص طور سے جواہرات کے لئے مشہور ہے۔

بکسر کی لڑائی کے بعد پھر میر قاسم نے اور شجاع الدولہ نے ملکر انگریزوں پر مقام کورہ پر حملہ کیا مگر پھر شکست ہوئی۔

اس شکست کے بعد کسی مورخ نے یہ نہ لکھا کہ میر قاسم کا کیا حشر ہوا کیونکہ وہ ایسے غائب ہوئے کہ پھر پتہ نہ لگا۔

اس طرح مرشد آباد کی بے انتہا دولت شجاع الدولہ کے ہاتھ لگی جو "طلسمی برج" میں رکھی گئی۔

شجاع الدولہ نہایت زیرک اور فہیم آدمی تھے اس لئے نواب فرخ آباد احمد خان بنگش کی رائے سے ۱۷۶۵ء میں بمقام بنارس انگریزوں سے صلحنامہ ہو گیا جسکی رو سے ایک دوسرے کا مددگار ہو گیا۔

---

[1] دیکھو تاریخ شاہان لکھنؤ مقدمۃ الکتاب صفحہ ۱۴ سطر پہلی۔

لمعہ سیلکھنڈ میں پوری۔ اٹاوہ۔ بنارس۔ غازی پور۔ فتح پور۔ کانپور وغیرہ وغیرہ
شجاع الدولہ ہی کی عہد حکومت میں اچھی طرح قبضہ میں آ گئے۔
آخرکار ۲۶ جنوری ۱۷۷۵ء کو "طلسمی برج" کے خزانہ کو ترقی کے آخری زینہ پر
پہونچا کر انتقال کیا۔

(۴) آصف الدولہ ۱۷۷۵-۹۷ء

شجاعت الدولہ کے مرنے کے بعد انکے بڑے بیٹے آصف الدولہ تخت نشین
ہوئے۔ ابھی تک اودھ کے حکمران فیض آباد ہی میں رہتے تھے۔ مگر آصف الدولہ
نے فیض آباد چھوڑ کر لکھنؤ آباد کیا۔

اب کیا تھا ۱۷۷۵ء تک جتنے شاہی دفاتر تھے وہ لکھنؤ میں اٹھ آئے۔ تھوڑے ہی
زمانہ میں دہلی۔ آگرہ۔ فیض آباد وغیرہ سے ہر فن کا کامل لکھنؤ میں آ گیا۔ آصف الدولہ
سا سخی حکمران ابھی تک اودھ میں نہ ہوا تھا۔ یہ بات قابل غور ہے کہ آصف الدولہ کو
سخت مشکلیں پڑیں جن میں روپیہ کی شدید ضرورت تھی مگر اس نیکدل بادشاہ
نے اپنے اجداد کے جمع کئے ہوئے خزانہ کو نہ لٹایا۔

انکے زمانہ میں جو عمارتیں لکھنؤ میں بنیں وہ حسن باغ۔ عیش باغ۔ اب تک موجود
ہیں۔ دولت خانہ۔ بیباپور کی کوٹھی۔ چنہٹ کی کوٹھی کے اب تک کچھ آثار موجود ہیں
امام باڑہ آصفی اور رومی دروازہ میں جو صنعت رکھی ہے لیکن اتنی بڑی عمارت
اور لکڑی کا نام بھی نہیں ہے۔
اسکو دیکھکر بڑے بڑے یوروپین انجینیر حیران رہ جاتے ہیں آصف الدولہ بہادر
نے ۱۲۱۲ھ میں انتقال کیا۔

(۵) سعادت علی خان ۱۷۹۸-۱۸۱۴ء

جب انکو تخت نشینی ہوئی تو جو لوگ آصف الدولہ کی فیاضی کی وجہ سے زندگی
عیش و عشرت میں گذار رہے تھے وہ حیران اور پریشان ہو گئے۔ انھیں کے زمانہ
میں [illegible] نے جبراً تھوڑا اودھ کا ایک بڑا حصہ لے لیا بہت سے
[illegible] جو لئے چھین لئے گئے اس فراخ دل حکمران نے لکھنؤ میں بہت سی عمارتیں
بنوائیں۔ دلکشا۔ حیات بخش۔ دار الشفا کنکر والی کوٹھی۔ فرح بخش۔ بادشاہ منزل۔

ٹیڑھی کوٹھی۔ موتی محل۔ دلآرام۔ خورشید منزل۔ قیصر السلطان۔ سِبلی گارڈ۔ ابھی تک اسی بادشاہ کی یاد قائم کیے ہوئے ہے۔ درگاہ حضرت عباس اور کربلا سے تال کٹورہ جو لکھنؤ میں سب کربلاؤں سے زیادہ مقبول ہے۔ سعادت علی خان ہی کی بنوائی ہوئی ہے اربعین تک سلسلۂ عزاداری کی رسم لکھنؤ میں سعادت علی خان ہی کی قائم کی ہوئی ہے "طلسمی برج" کے خزانہ میں سے انھوں نے بالکل کچھ نہ لیا ۲۴ رجب سنہ ۱۲۲۹ھ دوشنبہ کے دن انتقال کیا۔ کسی نے تاریخ وفات کہی۔

آہ شد گنج سعادت در زمین

(۶) غازی الدین حیدر سنہ ۲۷-۱۸۱۴ء

سعادت علیخان کے بعد انکے بڑے بیٹے۔ شاہ زمن غازی الدین حیدر تخت نشین ہوئے۔ انکی دورانِ حکومت میں صرف قابلِ تحریر یہ بات ہے کہ ابھی تک اودھ کے حکمران نواب کے خطاب سے یاد کیے جاتے تھے۔ مگر انکو انگریزوں کی طرف سے سنہ ۱۸۱۹ء میں شاہ کا خطاب ملا۔ انکا زمانہ حکومت نہایت امن و امان کا تھا انھوں نے خزانہ کا کچھ حصہ بھی لہو و لعب میں خوب اڑایا۔ انکی بنوائی ہوئی عمارتوں میں سے شاہ نجف نہایت اچھی حالت میں ہے۔ فرح بخش اور لال بارہ دری کے درمیان میں ایک نہر بنوائی تھی۔ جس میں گومتی سے ایک انجن کے ذریعے پانی آتا تھا۔ ماہ ربیع الاول سنہ ۱۸۲۷ء میں انتقال کیا اور شاہ نجف کے امام باڑہ میں دفن ہوئے تاریخ وفات یہ کہی گئی۔ تاریخ مصرعہ استاد

لے لیا آرزو کہ خاک شدہ

(۷) شاہ زمن نصیر الدین حیدر سنہ ۱۸۲۷-۳۷ء

انکا خطاب سلیمان جاہ تھا۔ حد سے زیادہ مصرف اور بے فکر تھے سادات کو دوست رکھتے تھے۔ انگریزی سوسائٹی بہت پسند کرتے تھے۔ طلسمی برج کے خزانہ سے ایک حبہ نہ لیا۔ بلکہ متعدد بیش بہا چیزوں کو یورپ سے منگا کر اضافہ کیا۔ انکی والدہ بادشاہ بیگم صاحبہ سے انکے بہت لڑائی ہوئی۔ انسے ذکر "طلسمی برج" کے قریب مطلا آئین اور شش درہ کی مسجد بنوائی۔ یہاں ایک قلعہ بنوایا جسکا اب نشان بھی نہیں۔ ناصر الدین حیدر نے سنہ ۱۸۳۷ء میں انتقال کیا۔

(۸) محمد علی شاہ ۱۸۳۷ء تا ۱۸۴۲ء

یہ ناصر الدین حیدر کے چچا تھے۔ ضعیفی میں عنان حکومت ہاتھ میں آئی۔ بیحد زاہد و پرہیزگار تھے۔ حسین آباد کا امام باڑہ انھیں کا بنوا ہوا ہے۔ انھوں نے کمپنی کے پاس کچھ روپیہ رکھوا دیا تھا۔ جس سے لوگ کربلا کے معلی مشہد مقدس وغیرہ ابھی تک جاتے ہیں۔

متعدد غربا اور بیوہ عورتیں اُنکے روپیہ سے ابھی تک پرورش پا رہی ہیں ۱۸۴۲ء میں انتقال کیا۔

(۹) امجد علی شاہ ۱۸۴۲ء۔۱۸۴۷ء

محمد علی شاہ کے بیٹے تھے۔ انکے دورانِ حکومت میں کوئی خاص بات نہیں ہوئی ۱۸۴۷ء میں انتقال کیا۔

حضرت گنج انھیں کا آباد کیا ہوا ہے۔ سبطین آباد کا امام باڑہ بھی انھیں نے بنوایا۔

(۱۰) واجد علی شاہ ۱۸۴۷ء۔۱۸۵۶ء

محمد علی شاہ کے بیٹے تھے۔ گو کہ یہ نہایت بھیم و شحیم تھے۔ مگر ان سے زیادہ خوبصورت بادشاہ اودھ میں کوئی نہ ہوا۔ یہ آخری فرمانروا تھے۔ گورنمنٹ نے انکو نا قابل خیال کر کے نظر بند کیا اور ۱۲ لاکھ روپیہ سالانہ مقرر کر کے مٹیا برج روانہ کر دیا۔ بیحد رنگیلی طبیعت کے تھے۔ سیکڑوں محل تھے۔ قیصر باغ انھیں کا بنوایا ہوا ہے۔ یہاں زنانہ میلہ ہر ہفتہ ہوا کرتا تھا۔ مٹیا برج ہی میں انتقال کیا اور وہیں دفن بھی ہوئے۔

جب لکھنؤ سے یہ جانے لگے تو اپنے ہمراہ طلسمی برج کا تھوڑا سا مال بھی لیتے گئے مگر اسکے راز سے کسی کو آگاہی نہ دی۔

سنہ ۱۹۰۳ء میں طلسمی برج میرے قبضہ میں آیا۔ ظفر حسین تم یقین جانو کہ میں نے اس خزانہ میں سے ایک پیسہ بھی نہ لیا۔ بلکہ جواہرات کی زیادتی کرتا گیا۔ میں ہرگز نہ چاہتا تھا کہیں خزانہ کو شاہان اودھ جان کے برابر عزیز سمجھتے تھے وہ ایک غیر قوم کے ہاتھ لگے طلسمی برج کے قریب ایک جھیل ہے جو دسیری کی جھیل کہلاتی ہے اصل سے

ایک سرنگ طلسمی برج سے ملی ہوئی ہے۔ اور پھر وہی سرنگ گومتی تک گئی ہے۔ جس وقت میں نے دیکھا کہ تم یہاں پہونچ گئے تو اس خیال سے کہ طلسمی برج کو بھی اپنی آنکھ سے دیکھ لو یہ حسرت کیوں رہ جاوے میں نے تم کو ہلاک نہ کیا اگر میں چاہتا تو تمہارا خاتمہ کرسکتا تھا۔ تم نے طلسمی برج میں مجھکو دیکھکر پیچھا کیا میں اس سرنگ سے ہوکر باہر نکلا۔ اور سرنگ کا منھ جو گومتی سے ملا ہوا تھا اُس کا بند کھول دیا۔ سرنگ بالکل ڈھالوان بنی ہے پانی آنا شروع ہوا۔ اب تم کو سوائے کچھ سرنگوں کے طلسمی برج کا نشان بھی نہ ملے گا۔ طوفانی پانی کی موجیں تمام جواہرات کو گومتی میں بہاکر لے گئیں۔ اس طرح سے طلسمی برج کا تمہاری وجہ سے خاتمہ ہوا۔

ہاشمہ کا حال مجھکو معلوم ہو گیا تھا۔ افسوس کہ بغیر میرے حکم کے اُس کے چچا نے اُسکو ہلاک کر ڈالا ورنہ میں ہلاک نہ کرتا بلکہ کوئی اور تدبیر کرتا۔

اب میں تم سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہوتا ہوں۔ میری سیکڑوں ایسی قیام گاہیں ہیں جہاں آرام سے زندگی بسر کرسکتا ہوں۔

مسٹر شام سندر کو میری طرف سے کہدینا۔

نورجہاں کو میں نے تمہارے پاس روانہ کردیا تھا۔ اچھا خدا حافظ

راقم
دلاور

ظفر حسین نے خط تمام کیا سب کو طلسمی برج کے غارت ہونے کا صدمہ ہوا۔ دن بھر پانی اُسی طرح میدان میں پھیلتا رہا۔ دوسرے دن جب پانی کم ہوا تو جاکر دیکھا سرنگیں بالکل گر گئیں تھیں۔ طلسمی برج کا کہیں پتہ و نشان بھی نہ تھا۔

چند جواہرات کی کچھ چیزیں دستیاب ہوئیں جو ولایت روانہ کر دی گئیں۔

ظفر حسین کی والدہ دہلی سے لکھنؤ آگئیں تھیں۔ نیک دن اور نیک ساعت دیکھکر ظفر حسین کا عقد نورجہاں کے ساتھ ہوا۔ عقد کے دن دلاور کا ایک خط مبارکباد کا ظفر حسین کے نام پہونچا۔ شمیم نے بہت بہت سلام لکھا تھا۔

ہم بھی ناظرین سے رخصت ہوتے ہیں۔

تیری زلفوں کے تصور میں مزہ موت کا تھا
کھل گئی آنکھ تو یہ خواب پریشان نہ رہا (رمز)

فقط

تمام شد

سید باقر رضا جوش لکھنوی

مہادیو پرشاد تاجر کتب لکھنؤ
سنہ ۱۹۲۴ء

غزلیات

شایاں کہدین مصیبت یہ پریشانون کی
دہن زخم زبان پا گئے بیکانون کی

شمع کہتی ہے یہ رو رو کر نہ جلاؤ مجھکو
جان جائیگی مجھے دیکھ کے پروانون کی

آپ کے کشتۂ غم کا تھا جہان پر مدفن
نسب دامن صحرا آئی وہین ویرانون کی

ہائین جبکہ مرے اُف نہ زبان سے نکلی
ہمنشین شمع سے پوچھے کوئی پروانون کی

لون آنکھین ہین نشیلی تو نگاہین مخمور
میرے ساقی کو ضرورت نہین پیمانون کی

شمع خاموش ہوئی صبح کو روتے روتے
میتین روش صبا پر اٹھین پروانون کی

اب پتہ کھوئے ہوئے دل کا نہین کچھ ملتا
جوش نے خاک بھی چھانی ہے بیابانون کی

کیون غم ہو مین بلا سے اگر ذبح ہو گیا
خیر آج انکی تیغ کا دامن تو دھو گیا

سینہ کا زخم کرتا ہے تعریف آب تیغ
جتنا غبار دل مین بھرا تھا وہ دھو گیا

دیوانہ تیرا شام سے رویا جو تا سحر
اسکو ن مین اپنے شمع صفت غرق ہو گیا

موجون نے بحر حسن کی طوفان بپا کیا
غرق آکے ناخدا مری کشتی ڈبو گیا

ادیرا آنسوون کا تصور رہا جو آج
تار نگاہ مین کوئی موتی پرو گیا

جو خون ہو گیا تھا دل بیقرار مین
وہ بھی تو صرف چہرۂ تصویر ہو گیا

پوچھا جو اس نے دل ہے کہان جوش نے کہا
پہلو مین تھا مگر تری محفل مین کھو گیا

نہ روکی سے رکا طوفان حسرت نیم نالون سے
کئی دریا ہوئے جاری ہمارے دل کے چھالون سے

دم زینت سنوارو الجھے گیسو ہوشیاری سے
کہ الجھا ہوا دل بھی وابستہ ہے گھونگر والے بالون سے

سر محفل ہٹایا کیون نقاب رخ کو چہرے سے
فنا تو خود کیا اور پھر شکایت مرنے والون سے

خبر تم نے نہ لی زندان مین گھٹ کر مر گئے قیدی
لپٹ کر بیڑیان تک رو رہی ہین مرنے والون سے

ڈبو دیگی سفینہ دل کا چند اکھڑی ہوئی سانسین
ہوا کی چھیڑ مین طوفان اٹھیگا دل کے چھالون سے

تعجب کیا ہمین برق حسن اگر فنا کر دے
کہ ایسا ہی تو اک قصہ سنا ہے طور والون سے

گلا ہو کاٹ کر اے جوش مرجانے تو اچھا ہے
زمانے میں نہ ہم ورہ رکھے خوش چہا نوین ہے

صفحہ عالم ہو سادہ میرے مرجانے کے بعد — ختم ہین دنیا کے قصے ایک افسانے کے بعد
شمع نے ہستی کو اپنی بھی کیا آخر فنا — اسقدر محفل مین روئی شب کو پروانے کے بعد
دیکھئیگا خود بخود بکھرینگی زلفین آپ کی — آہ نے تاثیر کی گر میرے مرجانے کے بعد
اک اداسی چھائی ہے زندان مین جیکر دیکھئے — خانۂ زنجیر بھی ویران ہے دیوانے کے بعد
طبقۂ شہر خموشان کا ورق الٹا گا جب — بستیان لاکھون نظر آئینگی ویرانے کے بعد
ہے بہار زندگی دو دن کی پھر فصل خزان — کہہ رہے ہین پھول تربت کو یہ مرجھانے کے بعد

دل کی دنیا مٹ گئی سب حسرتین مردہ ہوئین
خاک سی اڑنے لگی پیکان نکل جانے کے بعد

جو دیکھا آئینہ پہلے پہل اُس نے جوانی مین — تو عکس شعلۂ رخ نے لگا دی آگ پانی مین
کبھی ہچکی جو آتی ہے کلیجہ منھ کو آتا ہے — نظر آتے ہین ٹکڑے دل کے اشکون کی روانی مین
بھڑک کر حال سوز دل عیان کردے نہ محفل مین — زبان شمع بھی کاٹی گئی احسن بد گمانی مین
مفصل پوچھئے حالت نہ اپنے مرنے والے کی — مرقع درد کا ہر لفظ ہے اُس کی کہانی مین
یکایک ہان شکستہ ہو گئین دل کی رگین میری — ادھر انگڑائی لی ظالم نے جب جوش جوانی مین
ہزارون کشتیان عمر روان کی غرق ہوتی ہین — عجب طوفان ہے قاتل تیرے خنجر کے پانی مین

عجب قسمت ملی تھی مجھکو بھی اے جوش دنیا مین
کہ پائی ایکدم کی بھی نہ راحت زندگانی مین

اری گر سے زبان اپنی سنبھالی نہ گئی — یون بخش آیا کہ نظر طور پہ ڈالی نہ گئی
ذبح کرنے مین ظالم نے نہ سرکائی نقاب — میری حسرت دم آخر بھی نکالی نہ گئی
مین وہ تھا کشتۂ حسرت کہ فنا ہونے پر — چادر گل بھی مری قبر پہ ڈالی نہ گئی
کیا کروگے تم ذبح ہو لیس جاؤ — اتنی سی تیغ بھی جب تم سے سنبھالی نہ گئی
میری آہون نے کچھ اس طرح ہوائین باندھین — بزم مین رخ پہ نقاب آپ سے ڈالی نہ گئی
تا بہ لب دل تو مرا کھینچ کے لائین آہین — پھانس مژگان کی مگر ان سے نکالی نہ گئی
وقت آخر جو انھین دیکھ لیا تھا مین نے — بعد مرنے کے بھی چہرے سے بحالی نہ گئی